قرآن کریم اور سنّت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

جلد: ۸۷ شمارہ: ۲

صفر المظفر: ۱۴۴۵ھ - ستمبر: ۲۰۲۳ء

قیمت فی شمارہ: ۶۰ روپے، زرِ سالانہ: ۶۵۰ روپے

مُدیر/مُدیرِ مسئول

مولانا سیّد سُلیمان یوسف بنوری

نائب مُدیر

مولانا سیّد احمد یوسف بنوری

مُدیرِ معاون

مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

ناظم

مولانا فضل حق یوسفی

خط و کتابت اور ترسیلِ زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ ''بینات'' جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن

کراچی، پوسٹ کوڈ: 74800، پوسٹ بکس نمبر: 3465

فون دفتر ''بینات'': 021-34927233

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

یورپ اور امریکی ممالک، وغیرہ: 40 امریکی ڈالر

عرب اور ایشیائی ممالک، وغیرہ: 35 امریکی ڈالر

اکاؤنٹ نمبر

اکاؤنٹ نمبر: 7-397-0101900 برانچ کوڈ: 00816

مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن برانچ کراچی

وضاحت

ماہنامہ ''بینات'' میں اشتہارات کی اشاعت کا مقصد تصدیق اور سفارش نہیں ہے۔ ادارہ معاملات کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

فون: 34913570 - 34123366 - 34121152 **Ext.** 146 - 147

فیکس: 92-21-34919531 +

Web: www.banuri.edu.pk ***Email***: bayyinat@banuri.edu.pk

ناشر: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری **مطبع:** شفق پرنٹنگ پریس **طابع:** حافظ ثناء اللہ واحدی

فہرستِ مضامین

بصائر وعبر

باجوڑ میں امن کنونشن پر خودکش حملہ!	۳	محمد اعجاز مصطفیٰ

مقالات ومضامین

مکاتیب حضرت مولانا محمد بن موسیٰ میاںؒ بنام حضرت بنوریؒ	۶	انتخاب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری
جشن منانے کا طریقہ!	۹	حضرت مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ
جشنِ میلاد النبی (ﷺ) اور صراطِ مستقیم	۱۱	حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ
کرپٹو کرنسی اور عام کرنسی میں فرق	۲۱	ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی
شرعی اصطلاحات اور ان سے متعلق چند مباحث	۲۹	مولانا عبیدالرحمٰن
کاروباری دنیا میں جھگڑوں کے بنیادی اسباب اور اُن کا حل	۳۷	مولانا سید انور شاہ
اہلِ مدارس کے لیے لمحہ فکریہ (پہلی قسط)	۴۵	ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی

یادِ رفتگاں

شیخ الحدیث مولانا ارشاد احمدؒ کی رحلت!	۵۵	محمد اعجاز مصطفیٰ

دار الافتاء

کیا وظائف اور عملیات دین کا حصہ ہیں؟!	۵۷	ادارہ

نقد ونظر

عظمتِ صحابہؓ اور حضرت مدنیؒ ... معارفِ قربانی		
الجواهر والدرر في إيضاح سورة العصر ... مجموعہ رسائل	۶۲	ادارہ

باجوڑ میں امن کنونشن پر خودکش حملہ!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و سلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی

۱۱ محرم الحرام ۱۴۴۵ھ مطابق ۳۰/ جولائی ۲۰۲۳ء بروز اتوار سہ پہر صوبہ کے پی کے‘ کے ضلع باجوڑ تحصیل خار میں جمعیت علماء اسلام کے امن ورکرز کنونشن پر خودکش حملہ کیا گیا۔ باجوڑ میں ہونے والے حملے کے نتیجے میں تقریباً ۷۰ سے زائد افراد شہید اور ۱۰۰ کے قریب زخمی ہوگئے۔

اس واقعہ سے یہ ثابت ہوگیا کہ دہشت گردی کا عفریت ایک بار پھر بے قابو ہونے جارہا ہے۔ سانحہ باجوڑ نے پوری پاکستانی قوم کو غم واندوہ میں مبتلا کردیا ہے، ایسے لوگوں کا اجتماع جس میں علماء، طلباء اور عام دین دار مسلمان اس لیے جمع تھے کہ اس کنونشن سے امن کا پیغام دیا جائے، لیکن امن دشمن لوگوں کو یہ بات ہضم اور گوارہ نہ ہوئی۔

یہ ایک کرب ناک اور وحشت ناک سانحہ ہے۔ یہ صرف جمعیت علمائے اسلام کے کارکنوں پر حملہ نہیں، بلکہ پورے پاکستان اور اُمتِ مسلمہ پر حملہ ہے۔ یہ خودکش حملہ عین اس دن کیا گیا جب سی پیک منصوبے کے دس سال مکمل ہونے کی تقریب میں شرکت کے لیے چین کے نائب وزیراعظم پاکستان میں پہنچنے والے تھے۔ یقیناً سی پیک کے ذریعے پاکستان کی ترقی روکنے کی بدنیتی کے تحت اس وحشیانہ اور

سفاکانہ درندگی کا مظاہرہ کیا گیا۔

اس باجوڑ سانحہ کی پس پردہ قوتوں کی نشان دہی کرتے ہوئے مولانا نے کہا کہ: ''اس کی پشت پر وہی قوتیں ہیں جو پاکستان کو تباہ کرنا چاہتی ہیں، جو پاکستان کی ترقی کا راستہ روکنا چاہتی ہیں۔ صہیونیت کے یہ آلۂ کار پاکستان کے خلاف سازشیں کررہے ہیں۔'' مولانا نے کہا کہ: ''ملک کو کیسے مستحکم کرنا ہے؟ ۲۶ /ادارے ہیں انٹیلی جنس کے، کہاں غائب ہیں؟! جو ریاست کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں، جو اس حفاظت کے مسؤل ہیں، اسی کے لیے وہ تنخواہیں لے رہے ہیں، وہ کدھر ہیں آج؟! کب وہ ہمارے مستقبل اور ہماری آنے والی نسلوں کی حفاظت کا نظام بنائیں گے؟! یہ تمام وہ چیزیں ہیں کہ جس پر ہم نے قومی سطح پر غور کرنا ہے۔''

مولانا صاحب کی میزبانی میں قبائل کا یہ جرگہ بلایا گیا اور اس میں طے یہ کیا گیا کہ پاکستان اور افغانستان کی حکومتیں بیٹھ کر ان تمام معاملات کا حل نکالیں، تاکہ خونریزی اور فساد سے بچا جاسکے۔ افغان حکومت کے ترجمان نے بھی اس کی مذمت کی اور اپنی سرزمین دوسرے ملک کے خلاف استعمال کرنے کی نفی کی ہے۔

دہشت گردی کے مقابلہ کے لیے پوری قوم کو متحد اور منظم ہوکر مشترکہ طور پر اس کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکنا ہوگا۔ دہشت گردوں کے خلاف جنگ میں پوری قوم کے ہر فرد کو سپاہی بننا ہوگا۔ ہم پاکستان دشمنوں کو صرف اور صرف اتفاق اور اتحاد کے ذریعہ ہی شکستِ فاش دے سکتے ہیں۔ اس معاملے میں ملک کی سیاسی جماعتوں اور ان کی قیادت کو چاہیے کہ وہ اپنے حامیوں، کارکنوں اور ذمہ داران کو نسلی، لسانی، مسلکی یا سیاسی اختلافات میں اُلجھانے کے بجائے انہیں دہشت گردی کے خطرے سے آگاہ کریں اور آپس میں اُخوت، محبت، ہمدردی اور بھائی چارگی کے پرچار کا درس دیں۔

اللہ تعالیٰ امتِ مسلمہ کی حفاظت فرمائے، پاکستان کی حفاظت فرمائے، پاکستانی قوم کی حفاظت فرمائے، اور تمام دینی اور اسلامی اداروں کی حفاظت فرمائے۔

وزارتِ مذہبی امور کا مثالی کارنامہ

اس سال وزارتِ حج نے تقریباً گیارہ لاکھ پچھتر ہزار روپے کا حج پیکج فی کس بنایا تھا، حج سے پہلے ہی ہر حاجی کو قربانی کی مد میں تقریباً پچپن ہزار روپے واپس کیے گئے۔

وفاقی وزیر مذہبی امور جناب طلحہ محمود صاحب نے اعلان کیا تھا کہ جو رقم حجاج کرام کے

اخراجات سے بچ جائے گی، وہ رقم حجاج کرام کو واپس کریں گے۔ اس وعدہ کو پورا کرتے ہوئے انہوں نے اعلان کیا کہ تمام سرکاری حجاج کرام کو ۹۷ ہزار روپے فی کس واپس کیے جارہے ہیں۔ البتہ مدینہ منورہ میں دور رہائش پانے والوں کو ایک لاکھ گیارہ ہزار روپے واپس ملیں گے اور جن حجاجِ کرام کو مشاعر میں ٹرین نہیں ملی، انہیں ایک لاکھ اٹھارہ ہزار روپے ملیں گے۔ اسی طرح مرکزیہ میں رہائش اور ٹرین نہ ملنے والوں کو ایک لاکھ بتیس ہزار روپے واپس ملیں گے۔ اس طرح حج کا پیکج فی کس دس لاکھ بتیس ہزار روپے کا رہ گیا ہے۔ حجاج کرام کو واپس کی جانے والی کل رقم ۱۶/ارب روپے بنتی ہے۔

اس پر ہم وزارتِ حج، وفاقی وزیر مذہبی، اس کے تمام افسران اور عملہ کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور قوم کو باور کرانا چاہتے ہیں کہ یہ سب کچھ اس لیے ممکن ہوا کہ وفاقی وزیر مذہبی امور کا تعلق اس جماعت کے ساتھ ہے، جن کے منتسبین کو خدا خوفی اور یومِ آخرت کی جواب دہی کا ڈر ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ آج ہم نے حجاج کرام کی حج کے لیے دی گئی رقم ہڑپ اور ہضم کر لی تو کل حجاج کرام کا ہمارے گریبانوں میں ہاتھ ہوگا اور ہمیں وہاں چھڑانے والا کوئی نہیں ہوگا۔

اور یہ پاکستانی تاریخ میں پہلی دفعہ ہوا ہے، جس کا نمونہ ان دو سالوں میں پاکستانی قوم نے دیکھا۔ اس لیے عوام الناس کو چاہیے کہ آئندہ ان ایوانوں اور اقتدار کے لیے ایسے لوگوں کا انتخاب کریں، جن میں خدا خوفی اور جواب دہی کا ڈر ہو، تاکہ پاکستانی قوم کچھ سکھ اور چین کا سانس لے سکے۔

وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ سیدنا محمد و علٰی آلہٖ و صحبہٖ أجمعین

..... ❀ ..... ❀ ..... ❀ .....

سلسلۂ مکاتیب حضرت بنوریؒ

مکاتیب حضرت مولانا محمد بن موسیٰ میاں رحمۃ اللہ علیہ

بنام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

انتخاب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الاحد ۲۳ / جمادی الاول سنہ ۱۳۶۷ھ

محترم ومکرم مولانا سید محمد یوسف صاحب زیدت مکارمکم! سملک

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

گرامی نامہ نے ممنون کیا، الحمد للہ یہاں عافیت ہے۔ مولانا سید احمد رضا صاحب (بجنوری) اب تو آ گئے ہوں گے، اور کام شروع ہو گیا ہوگا۔ انہوں نے مولانا بشیر احمد صاحب کی لکڑی کی تجارت کے متعلق کچھ تحریر فرمایا تھا، سو میں نے حاجی صحبت خان صاحب کو اس کا خلاصہ سنا دیا ہے، خان صاحب مزید تفصیل طلب فرماتے ہیں۔

مولانا بشیر احمد صاحب کا پتہ میرے پاس نہیں، اگر مولانا (احمد رضا بجنوری) صاحب آ گئے ہوں تو ان کے پاس ضرور پتہ ہوگا، ان سے لکھنو خط لکھوا دیجیے گا کہ مولانا بشیر احمد صاحب خواہ یہاں کراچی کے پتہ پر میرے نام یا حویلیاں کے پتہ پر خان صاحب کے نام تفصیلات لکھ بھیجیں، اور اگر خود تشریف لائیں تو مجھے شوقِ ملاقات ہے، أھلًا وسھلًا ومرحبًا بہ!

مولانا سید محمد بدر عالم صاحب (میرٹھی) علیل وصاحبِ فراش ہیں، زبردست دُنبل نکلا ہوا ہے، جس نے بالکل عاجز کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ شفاء عاجل عطا فرماویں، آپ دونوں حضرات دعا فرمایئے گا۔ مولانا شبیر احمد صاحب (عثمانی) ملتان گئے ہوئے ہیں۔ آپ کی تشریف آوری میں کب تک

سہولت و گنجائش ہوگی؟ اندازہ تحریر فرمایئے گا، میں اب کچھ کچھ فارغ ہورہا ہوں، اور پشاور و ہزارہ کا سفر درپیش ہے۔

الحمدللہ صحت دن بدن اچھی ہورہی ہے۔ بچوں کو پیار و دعاء!

والسلام

احقر محمد بن موسیٰ میاں عفا اللہ عنہما

۱۷رجب سنہ ۱۳۶۷ھ - راولپنڈی

مخلصِ محترم مولانا سید محمد یوسف صاحب زیدت معالیکم! پشاور

السلام علیکم!

آپ کے دونوں کارڈ مل گئے، الحمدللہ میں ابھی بعد الظہر کراچی روانہ ہورہا ہوں، اس وقت مولانا یوسف شاہ صاحب کے ساتھ چائے پی رہا ہوں۔ گھر والوں نے سبز چائے طلب کی ہے، سو ایک سبز اچھی سی چائے ہمراہ لائیں، کچھ کراچی میں لے لیں گے، اور بقیہ سملک پہنچ جائے گی۔ شیخ عبدالعزیز صاحب سے بعد از سلام دریافت کرلیں کہ وہ آرٹیکلز اور میمر نڈم میں کیا اصلاح تجویز فرماتے ہیں؟ تاکہ اس کے مطابق طبع کرالیا جائے۔ والد صاحب (مولانا محمد زکریا بنوری رحمہ اللہ)، ماموں صاحب (مولانا فضل صمدانی رحمہ اللہ)، ملک مراد خان کو سلام!

والسلام

احقر محمد بن موسیٰ میاں عفا اللہ عنہما

مولانا یوسف شاہ صاحب وصحبت خان صاحب، سلام لکھواتے ہیں۔

۴/رمضان المبارک سنہ ۱۳۶۷ھ

محترم و مکرم جناب مولانا سید محمد یوسف بنوری صاحب دامت معالیکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کے تینوں گرامی نامے ملے، اس خیال سے کہ مرسلہ اشیاء پہنچ جائیں تو ان کی وصولیابی کے ساتھ جواب لکھوں، جواب میں تاخیر ہوئی، معاف فرمایئے گا۔ جناب حاجی محمد دادا بھائی ابھی تک نہیں پہنچے، البتہ مولانا ابراہیم راندیری صاحب کئی دنوں سے آئے ہوئے ہیں، اور فی الحال کراچی میں

مقیم ہیں، سنا ہے کہ دواخانہ قائم کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بخاری شریف وترمذی شریف کے درس کی خدمت قبول فرماکر ماجور فرمادے، یجز یکم اللہُ عن المسلمین خیرًا۔ آڑے وقت میں اچھی خدمت ہوگئی، وللہ الحمد!

شیخ محمد زاہد کوثری صاحب کی تجویز بہت عمدہ ہے، ان شاء اللہ اس بارہ میں کوشش کریں گے، اس کے لیے ایک آدمی کو کام سکھانا پڑے گا، اور آلات خریدنے ہوں گے، دعا فرمایئے اللہ تعالیٰ نے آج تک جیسے کام پورے کیے، آئندہ بھی اپنے فضل سے ہم سے کچھ کام لے۔

والد صاحب مولانا (محمد زکریا بنوری) مدظلہ نے مسجد کا نقشہ بھیجا ہے، آرکٹیکٹ اسے مرتب کر رہا ہے، تیار ہوجانے پر ان کو اور آپ کو نقول بھیج دوں گا، سادہ کم خرچ نقشہ بنوایا ہے، اور آپ کے مطلوبہ اضافے شامل کردیئے گئے ہیں، ان شاء اللہ آپ کو پسند آئے گا۔

مولانا بدرِعالم صاحب (میرٹھی) نہیں ملے، وہ جس طرح راضی ہوں گے ان کی خدمت میں قیمت یا فیض الباری کے نسخے پیش کردیئے جائیں گے۔

اب تو بارش ہوچکی ہوگی، اور کچھ خنکی بھی آگئی ہوگی، اللہ تعالیٰ رمضان کے برکات سے آپ کو، اہلِ بیت کو اور اہلِ قریہ کو مالا مال کرے۔ حکیم محمد قاسم صاحب کو حکیم پیر فتح شاہ صاحب کا پتہ بھیج دیا ہے، حکیم صاحب کا پتہ ''بوہڑ بازار، راولپنڈی'' ہے۔ انہیں (خمیرہ) مروارید درکار ہیں، قیمت دریافت فرمارہے تھے، اگر آپ کو کچھ معلومات ہوں تو لکھ دیجیے گا، وہ اور میں مشکور ہوں گے۔

مولانا احمد بزرگ صاحب (سابق مہتمم جامعہ اسلامیہ، ڈابھیل)، حاجی چچا (ابراہیم میاں) صاحب، مولانا سعید صاحب وابوسعد وحاجی محمد شفیع ومولانا محمد پاندور صاحب کو سلام، بچوں کو پیار ودعاء!

والسلام

احقر محمد بن موسیٰ میاں عفا اللہ عنہما

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

جشن منانے کا طریقہ!

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ
سابق مُشرف تخصصِ علوم حدیث، جامعہ

''ماہنامہ بینات رجب المرجب ۱۳۸۲ مطابق دسمبر ۱۹۶۲ء کے اداریہ میں اس وقت کے ماہنامہ بینات کے مدیر حضرت مولانا محمد عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ۲۷/ اکتوبر ۱۹۶۲ء کو منائے جانے والے یوم انقلاب اور ۱۴/ اگست کے جشنِ آزادی کے حوالہ سے ایک تنبیہی اور اصلاحی شذرہ تحریر فرمایا تھا، حالیہ جشنِ آزادی کی مناسبت سے یہ شذرہ قندِ مکرر کے طور پر نذرِ قارئین ہے۔'' (ادارہ)

الحمد لله رب العالمين، والعاقبة للمتقين، والصلاة والسلام على رسوله محمد وآله وأصحابه أجمعين ، أما بعد:

گزشتہ ماہ میں ۲۷/ اکتوبر کو ملتِ پاکستان نے یومِ انقلاب منایا، میں اس روز صبح کو گھر سے نکلا تھا، بارہ بجے کے بعد واپس ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ مکان کے نیچے شامیانہ تنا ہوا ہے اور محلہ کا ایک غریب مزدور جو اپنی ٹانگوں کی خرابی کے باعث تندرستوں کی طرح چلت پھرت بھی نہیں کرسکتا کھڑا ہوا ناچ رہا ہے اور جوان لڑکے اس کے سر پر چپت لگاتے جاتے ہیں۔ میں یہ منظر آنکھوں سے دیکھتا ہوا اپنے مکان پر چڑھ گیا، پھر عصر کے بعد جب نماز پڑھ کر لوٹا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اسکول کا ایک لڑکا جس کی عمر مشکل سے آٹھ دس برس کی ہوگی تخت پر کھڑا بڑے انداز سے رَقص میں مشغول ہے اور طرح طرح بھاؤ بتا کر ناظرین کو اپنی طرف متوجہ کیے ہوئے ہے۔ استفسار پر جو لوگ پاس کھڑے ہوئے تھے انہوں نے بتایا کہ جناب! یہ کوئی شادی کا ہنگامہ نہیں، بلکہ جشنِ انقلاب کی خوشی منائی جارہی ہے اور آج رات یہاں قوالی ہوگی۔

مجھے یہ منظر دیکھ کر بڑی عبرت ہوئی کہ مسلمان قوم جنہیں سپاہیوں کا کرتب دکھانا چاہیے تھا،

کتنی جلدی نچنیوں، گویوں اور ڈوم ڈھاریوں کا روپ دھار بیٹھی۔ اخبارات نے بھی اس جشن کی جو تفصیل مختلف مقامات کے متعلق دی ہے، وہ رقص وسرود، سینمابینی اور اسی قسم کی واہیات سے پُر ہے۔

۱۴/اگست کو بھی ہماری قوم نے جشنِ پاکستان اسی شان سے منایا تھا، حالانکہ اس روز ربیع الاول کی ۱۲/تاریخ تھی اور کون نہیں جانتا کہ اس تاریخ کو خاصۂ کائنات فخرِ موجودات حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دارِفانی سے عالمِ بالا کو رحلت فرمائی تھی، ظاہر ہے کہ کوئی غیور قوم اپنی محبوب ترین ہستی کے یومِ وفات کو جشن نہیں منایا کرتی، مگر ہماری قوم کی عقل کا کیا ٹھکانا! اس روز گلی گلی میں گانے بجانے کا وہ شور برپا تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی، پھر اس بارے میں مسجد کے قرب وبعد کا بھی ذرا پاس ولحاظ نہ تھا، بلکہ ایک طرف مسجدوں میں اقامت کہی جارہی تھی اور دوسری طرف زور وشور سے ریکارڈنگ جاری تھی۔

اللہ کی کسی نعمت پر خوشی کا اظہار کرنا بڑی اچھی چیز ہے، اسلام نے خود شکرِ نعمت کا حکم دیا ہے، مگر ساتھ ہی اس کا طریقہ بھی سکھلایا ہے۔ آخر عیدین میں مسلمان کس طرح اپنی خوشی ومسرت کا اظہار کیا کرتے ہیں؟ اللہ کی قدرت کے قربان! حصولِ پاکستان کا وقت تقدیرِ الٰہی میں پہلے ہی سے وہ مقرر تھا جس کا شمار مسلمانوں کے نزدیک متبرک ترین اوقات میں سے ہے، جس وقت قیامِ پاکستان کا اعلان ہوا رمضان المبارک کا اخیر عشرہ اور ماہِ مذکور کی ستائیسویں شب تھی جو تمام راتوں میں افضل ترین رات ہے اور بہت سی صحیح احادیث کے مطابق اسی کا شبِ قدر ہونا زیادہ قرینِ صحت ہے۔ یہ پورا عشرہ مسلمانوں کی خصوصی عبادات کا ہے، دن کو روزے رکھتے ہیں اور رات کو خدا کی یاد میں بسر کرتے ہیں اور خاص طور پر ستائیسویں شب میں مصروفِ عبادت رہنے کی جو فضیلت ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔

پھر سوچنے کی بات ہے کہ جب حق تعالیٰ نے اس حصولِ نعمت کا وقت ہی وہ مقرر کیا جو خصوصیت سے بڑی برکت وقبولیت کا ہے اور خدا کے حضور دعا وتضرع کا، تو پھر اس متبرک وقت کو اقوامِ یورپ کی ریس میں ان اوقات سے بدلنا جو اس برکت سے خالی ہوں کفرانِ نعمت نہیں تو کیا ہے؟! ’’أَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ أَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ‘‘ لیکن اگر یہی لیل ونہار رہا تو قوم سے یہ بھی بعید نہیں کہ وہ خود شبِ قدر میں اسی طرح عیش وطرب کا مظاہرہ کرنے لگے جس طرح ان جشنوں میں کرتی ہے۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

جشنِ میلاد النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور صراطِ مستقیم

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ
سابق مدیر ماہنامہ بینات و استاذِ حدیث، جامعہ

۱۲؍ربیع الاول کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ''جشنِ عید'' منایا جاتا ہے اور آج کل اسے اہلِ سنت کا خاص شعار سمجھا جانے لگا ہے۔ اس کے بارے میں بھی چند ضروری نکات عرض کرتا ہوں:

① آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ خیر ایک اعلیٰ ترین عبادت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ خیر ایک اعلیٰ ترین عبادت بلکہ روحِ ایمان ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک ایک واقعہ سرمۂ چشمِ بصیرت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت، آپؐ کی صغرسنی، آپ کا شباب، آپ کی بعثت، آپ کی دعوت، آپ کا جہاد، آپ کی قربانی، آپ کا ذکر وفکر، آپ کی عبادت ونماز، آپ کے اخلاق وشمائل، آپ کی صورت وسیرت، آپ کا زہد وتقویٰ، آپ کا علم وخشیت، آپ کا اُٹھنا بیٹھنا، چلنا، پھرنا، سونا جاگنا، آپ کی صلح و جنگ، خفگی وغصہ، رحمت وشفقت، تبسم ومسکراہٹ، الغرض! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک ادا اور ایک ایک حرکت و سکون اُمت کے لیے اسوۂ حسنہ اور اکسیرِ ہدایت ہے، اور اس کا سیکھنا سکھانا، اس کا مذاکرہ کرنا، دعوت دینا اُمت کا فرض ہے، صلی اللہ علیہ وسلم۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت رکھنے والی شخصیات اور چیزوں کا تذکرہ بھی عبادت ہے۔ آپ کے احباب واصحاب، ازواج واولاد، خدّام وعمال، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس وپوشاک، آپ کے ہتھیار، آپ کے گھوڑوں، خچروں اور ناقہ کا تذکرہ بھی عینِ عبادت ہے، کیونکہ یہ دراصل ان چیزوں کا تذکرہ نہیں، بلکہ آپ کی نسبت کا تذکرہ ہے، صلی اللہ علیہ وسلم۔

② آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ محفوظ ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے دو حصے ہیں: ایک ولادتِ شریفہ سے لے کر قبل از نبوت تک کا،

اور دوسرا بعثت سے لے کر وصال شریف تک کا۔ پہلے حصے کے جستہ جستہ بہت سے واقعات حدیث وسیرت کی کتابوں میں موجود ہیں۔ اور حیاتِ طیبہ کا دوسرا حصہ جسے قرآن کریم نے اُمت کے لیے اسوۂ حسنہ فرمایا ہے، اس کا مکمل ریکارڈ حدیث وسیرت کی شکل میں محفوظ ہے، اور اس کو دیکھنے سے ایسا لگتا ہے کہ آپ ﷺ باہمہ خوبی و زیبائی گویا ہماری آنکھوں کے سامنے چل پھر رہے ہیں، اور آپ ﷺ کے جمالِ جہاں آرا کی ایک ایک ادا اس میں صاف جھلک رہی ہے، ﷺ۔

بلا مبالغہ یہ اسلام کا عظیم ترین اعجاز اور اس امتِ مرحومہ کی بلند ترین سعادت ہے کہ ان کے پاس ان کے محبوب ﷺ کی زندگی کا پورا ریکارڈ موجود ہے، اور وہ ایک ایک واقعہ کے بارے میں دلیل وثبوت کے ساتھ نشاندہی کر سکتی ہے کہ یہ واقعہ کہاں تک صحیح ہے؟ اس کے برعکس آج دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں، جن کے پاس ان کے ہادی کی زندگی کا صحیح اور مستند ریکارڈ موجود ہو۔ یہ نکتہ ایک مستقل مقالے کا موضوع ہے، اس لیے یہاں صرف اسی قدر اشارے پر اکتفا کرتا ہوں۔

③ سیرتِ طیبہ کو بیان کرنے کا درست طریقہ

آنحضرت ﷺ کی سیرتِ طیبہ کو بیان کرنے کے دو طریقے ہیں: ایک یہ کہ آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے ایک ایک نقشے کو اپنی زندگی کے ظاہر و باطن پر اس طرح آویزاں کیا جائے کہ آپ ﷺ کے ہر امتی کی صورت وسیرت، چال ڈھال، رفتار وگفتار، اخلاق وکردار، آپ ﷺ کی سیرت کا مرقع بن جائے، اور دیکھنے والے کو نظر آئے کہ یہ محمد رسول اللہ ﷺ کا غلام ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جہاں بھی موقع ملے آنحضرت ﷺ کے ذکرِ خیر سے ہر مجلس ومحفل کو معمور ومعطر کیا جائے۔ آپ ﷺ کے فضائل وکمالات، اور آپ کے بابرکت اعمال واخلاق اور طریقوں کا تذکرہ کیا جائے، اور آپ کی زندگی کے ہر نقشِ قدم پر مر مٹنے کی کوشش کی جائے۔ سلف صالحین صحابہؓ وتابعینؒ اور ائمہ ہدیٰ ؒ ان دونوں طریقوں پر عامل تھے۔ وہ آنحضرت ﷺ کی ایک ایک سنت کو اپنے عمل سے زندہ کرتے تھے، اور ہر محفل ومجلس میں آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا تذکرہ کرتے تھے۔ آپ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ سنا ہوگا کہ ان کے آخری لمحاتِ حیات میں ایک نوجوان ان کی عیادت کے لیے آیا، واپس جانے لگا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: برخوردار! تمہاری چادر ٹخنوں سے نیچے ہے، اور یہ آنحضرت ﷺ کی سنت کے خلاف ہے۔ ان کے صاحبزادے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو آنحضرت ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے اپنانے کا اس قدر شوق تھا کہ جب حج پر تشریف لے جاتے تو جہاں آنحضرت ﷺ نے اپنے سفرِ حج میں پڑاؤ کیا تھا وہاں اُترتے، جس درخت کے نیچے آرام فرمایا تھا اُس درخت کے نیچے آرام کرتے۔ اور جہاں آنحضرت ﷺ

فطری ضرورت کے لیے اُترتے تھے، خواہ تقاضا نہ ہوتا، تب بھی وہاں اُترتے، اور جس طرح آنحضرت ﷺ بیٹھے تھے، اس کی نقل اتارتے، رضی اللہ عنہ۔ یہی عاشقانِ رسول تھے جن کے دم قدم سے آنحضرت ﷺ کی سیرتِ طیبہ صرف اوراق وکتب کی زینت نہیں رہی، بلکہ جیتی جاگتی زندگی میں جلوہ گر ہوئی، اور اس کی بوئے عنبرین نے مشامِ عالم کو معطر کیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین عظام رحمہم اللہ بہت سے ایسے ممالک میں پہنچے جن کی زبان نہیں جانتے تھے، نہ وہ ان کی لغت سے آشنا تھے، مگر ان کی شکل وصورت، اخلاق وکردار اور اعمال ومعاملات کو دیکھ کر علاقوں کے علاقے اسلام کے حلقہ بگوش اور جمالِ محمدی کے غلام بے دام بن گئے۔ یہ سیرتِ نبوی کی کشش تھی، جس کا پیغام ہر مسلمان اپنے عمل سے دیتا تھا۔

④ سلفِ صالحین کے ہر قول وعمل میں سیرتِ طیبہ کی جھلک تھی

سلف صالحینؒ نے کبھی سیرت النبیؐ کے جلسے نہیں کیے، اور نہ میلاد کی محفلیں سجائیں، اس لیے کہ وہاں ''ہر روز روزِ عید'' اور ''ہر شب شبِ براءت'' کا قصہ تھا۔ ظاہر ہے کہ جب ان کی پوری زندگی ''سیرت النبی'' کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی، جب ان کی ہر محفل ومجلس کا موضوع ہی سیرتِ طیبہ تھا، اور جب ان کا ہر قول وعمل سیرت النبی کا مدرسہ تھا تو ان کو اس نام کے جلسوں کی نوبت کب آسکتی تھی؟ لیکن جوں جوں زمانہ کو آنحضرت ﷺ کے مبارک دور سے بُعد ہوتا گیا، عمل کے بجائے قول کا، کردار کے بجائے گفتار کا سکہ چلنے لگا۔ الحمد للہ! یہ امت کبھی بانجھ نہیں ہوئی۔ آج اس گئے گزرے دور میں بھی اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے موجود ہیں جو آنحضرت ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا آئینہ سامنے رکھ کر اپنی زندگی کے گیسووکاکل سنوارتے ہیں، اور ان کے لیے محبوب ﷺ کی ایک ایک سنت ملکِ سلیمان اور گنجِ قارون سے زیادہ قیمتی ہے۔ لیکن مجھے شرمساری کے ساتھ یہ اعتراف کرنا چاہیے کہ ایسے لوگ کم ہیں، جب کہ ہم میں سے اکثریت مجھ جیسے بدنام کنندہ گپوڑوں اور نعرہ بازوں کی ہے جو سال میں ایک دوبار سیرت النبی (ﷺ) کے نعرے لگا کر یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ان کے ذمہ اُن کے محبوب نبی ﷺ کا جو حق تھا، وہ قرض انہوں نے پورا ادا کردیا، اور اب ان کے لیے شفاعت واجب ہوچکی ہے، مگر ان کی زندگی کے کسی گوشے میں دور دور تک سیرتِ طیبہ کی کوئی جھلک دکھائی نہیں دیتی۔ آنحضرت ﷺ کی پاک سیرت کے ایک ایک نشان کو انہوں نے اپنی زندگی کے دامن سے کھرچ کھرچ کر صاف کرڈالا ہے۔ اور روزمرہ نہیں، بلکہ ہر لمحہ اس کی مشق جاری رہتی ہے، مگر ان کے پتھر دل کو کبھی احساس تک نہیں ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو اپنی سنتوں اور اپنے طریقوں کے مٹنے سے کتنی تکلیف اور اذیت ہوتی ہے۔ وہ اس خوش فہمی میں ہیں کہ بس قوالی کے دو چار نغمے سننے، نعت شریف کے دو چار شعر پڑھنے سے آنحضرت ﷺ کا حق ادا ہوجاتا ہے۔

⑤ مروجہ میلاد کی ابتدا کب ہوئی؟!

میلاد کی محفلوں کے وجود سے امت کی چھ صدیاں خالی گزرتی ہیں اور ان چھ صدیوں میں جیسا کہ میں ابھی عرض کرچکا ہوں، مسلمانوں نے کبھی ''سیرت النبی'' کے نام سے کوئی جلسہ یا ''میلاد'' کے نام سے کوئی محفل نہیں سجائی۔ ''محفلِ میلاد'' کا آغاز سب سے پہلے ۶۰۴ھ میں سلطان ابوسعید مظفر اور ابوخطاب ابن دحیہ نے کیا، جس میں تین چیزیں بطورِ خاص ملحوظ تھیں:

① بارہ ربیع الاول کی تاریخ کا تعین۔

② علماء و صلحاء کا اجتماع۔

③ اور ختمِ محفل پر طعام کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پرفتوح کو ایصالِ ثواب۔

ان دونوں صاحبوں کے بارے میں بھی اختلاف ہے کہ یہ کس قماش کے آدمی تھے؟ بعض مؤرخین نے ان کو فاسق و کذاب لکھا ہے، اور بعض نے عادل و ثقہ، واللہ اعلم!

جب یہ نئی رسم نکلی تو علماء امت کے درمیان اس کے جواز و عدمِ جواز کی بحث چلی۔ علامہ فاکہانیؒ اور اُن کے رفقاء نے ان خود ساختہ قیود کی بنا پر اس میں شرکت سے عذر کیا، اور اسے بدعتِ سیئہ قرار دیا، اور دیگر علماء نے سلطان کی ہم نوائی کی، اور ان قیود کو مباح سمجھ کر اس کے جواز و استحسان کا فتویٰ دیا۔ جب ایک بار یہ رسم چل نکلی تو یہ صرف ''علماء و صلحاء کے اجتماع'' تک محدود نہ رہی، بلکہ عوام کے دائرے میں آکر ان کی نئی نئی اختراعات کا تختۂ مشق بنتی چلی گئی۔ آج ہمارے سامنے عید میلاد النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جو ترقی یافتہ شکل موجود ہے (اور ابھی خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس میں مزید کتنی ترقی مقدر ہے)، اب ہمیں اس کا جائزہ لینا ہے۔

⑥ چھ صدیوں تک اہلِ اسلام اس خود تراشیدہ ''شعارِ اسلام'' سے ناواقف تھے

سب سے پہلے دیکھنے کی بات تو یہ ہے کہ جو فعل صحابہؓ و تابعینؒ کے زمانے میں کبھی نہیں ہوا، بلکہ جس کے وجود سے اسلام کی چھ صدیاں خالی چلی آئی ہیں، آج وہ ''اسلام کا شعار'' کہلاتا ہے۔ اس شعارِ اسلام کو زندہ کرنے والے ''عاشقانِ رسول'' کہلاتے ہیں، اور جو لوگ اس نو ایجاد شعارِ اسلام سے ناآشنا ہوں، ان کو دشمنانِ رسول تصور کیا جاتا ہے، إنا لله و إنا إليه راجعون.

کاش! ان حضرات نے کبھی یہ سوچا ہوتا کہ چھ صدیوں کے جو مسلمان ان کے اس خود تراشیدہ شعارِ اسلام سے محروم رہے ہیں، ان کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟ کیا وہ سب ... نعوذ باللہ ... دشمنانِ رسول تھے؟ اور پھر انہوں نے اس بات پر کبھی غور کیا ہوتا کہ اسلام کی تکمیل کا اعلان تو حجۃ الوداع میں عرفہ کے دن ہوگیا تھا، اس کے بعد وہ کون سا پیغمبر آیا تھا، جس نے ایک ایسی چیز کو ان کے لیے شعارِ اسلام بنادیا، جس سے چھ

صدیوں کے مسلمان ناآشنا تھے؟ کیا اسلام میرے یا کسی کے ابا کے گھر کی چیز ہے کہ جب چاہو اس کی کچھ چیزیں حذف کر دو، اور جب چاہو اس میں کچھ اور چیزوں کا اضافہ کر ڈالو؟

۷عیسائیوں کا طرزِ عمل

دراصل اسلام سے پہلے کی قوموں میں اپنے بزرگوں اور بانیانِ مذہب کی برسی منانے کا معمول ہے، جیسا کہ عیسائیوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم ولادت پر ''عیدِ ولادت'' منائی جاتی ہے۔ اس کے برعکس اسلام نے برسی منانے کی رسم کو ختم کر دیا تھا اور اس میں دو حکمتیں تھیں: ایک یہ کہ سالگرہ کے موقع پر جو کچھ کیا جاتا ہے، وہ اسلام کی دعوت اور اس کی روح و مزاج سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ اسلام اس ظاہری سج دھج، نمود و نمائش اور نعرہ بازی کا قائل نہیں، وہ اس شور و شغب اور ہاؤ ہو سے ہٹ کر اپنی دعوت کا آغاز دلوں کی تبدیلی سے کرتا ہے، اور عقائدِ حقہ، اخلاقِ حسنہ اور اعمالِ صالحہ کی تربیت سے انسان سازی کا کام کرتا ہے۔ اس کی نظر میں یہ ظاہری مظاہرے ایک کوڑی کی قیمت بھی نہیں رکھتے، جن کے بارے میں کہا گیا ہے: ع: ''جگمگاتے در و دیوار دل بےنور ہیں''

دوسری حکمت یہ ہے کہ اسلام دیگر مذاہب کی طرح کسی خاص موسم میں برگ و بار نہیں لاتا، بلکہ وہ تو ایسا سدا بہار شجرۂ طوبیٰ ہے، جس کا پھل اور سایہ دائم و قائم ہے۔ گویا اس کے بارے میں قرآنی الفاظ میں ''أُكُلُهَا دَائِمٌ وَّظِلُّهَا'' کہنا بجا ہے۔ اس کی دعوت اور اس کا پیغام کسی خاص تاریخ کا مرہونِ منت نہیں، بلکہ آفاق و ازمان کو محیط ہے۔

اور پھر دوسری قوموں کے پاس تو دو چار ہستیاں ہوں گی، جن کی سالگرہ منا کر وہ فارغ ہو جاتی ہیں۔ اس کے برعکس اسلام کے دامن میں ہزاروں لاکھوں نہیں، بلکہ کروڑوں ایسی قدآور ہستیاں موجود ہیں جو ایک سے بڑھ کر ایک ہیں، اور جن کی عظمت کے سامنے آسمان کی بلندیاں ہیچ، اور نورانی فرشتوں کا تقدس گردِ راہ ہے۔ اسلام کے پاس کم و بیش سوا لاکھ کی تعداد تو ان انبیاء کی ہے، جو انسانیت کے ہیرو ہیں، اور جن میں سے ایک ایک کا وجود کائنات کی ساری چیزوں پر بھاری ہے۔ پھر انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قافلہ ہے، ان کی تعداد بھی سوا لاکھ سے کیا کم ہوگی؟ پھر ان کے بعد ہر صدی کے وہ لاکھوں اکابر اولیاء اللہ ہیں جو اپنے اپنے وقت میں رشد و ہدایت کے مینارۂ نور تھے، اور جن کے آگے بڑے بڑے جابر بادشاہوں کی گردنیں جھک جاتی تھیں۔ اب اگر اسلام شخصیتوں کی سالگرہ منانے کا دروازہ کھول دیتا تو غور کیجیے کہ اس امت کو سال بھر میں سالگرہوں کے علاوہ کسی اور کام کے لیے ایک لمحہ کی بھی فرصت ہوتی؟

عیسائیوں کی تقلید

چونکہ یہ چیز ہی اسلام کی دعوت اور اس کے مزاج کے خلاف تھی، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ رضی اللہ عنہم اور

تابعینؒ کے بعد چھ صدیوں تک امت کا مزاج اس کو قبول نہ کرسکا۔ اگر آپ نے اسلامی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اسلامی تاریخ میں چھٹی صدی وہ زمانہ ہے جس میں فرزندانِ تثلیث نے صلیبی جنگیں لڑیں، اور مسیحیت کے ناپاک اور منحوس قدموں نے عالمِ اسلام کو روند ڈالا۔ ادھر مسلمانوں کا اسلامی مزاج داخلی وخارجی فتنوں کی مسلسل یلغار سے کمزور پڑ گیا تھا۔ ادھر مسیحیت کا عالمِ اسلام پر فاتحانہ حملہ ہوا، اور مسلمانوں میں مفتوح قوم کا سا احساسِ کمتری پیدا ہوا، اس لیے عیسائیوں کی تقلید میں یہ قوم بھی سال بعد اپنے مقدس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یومِ ولادت کا جشن منانے لگی، یہ قوم کے کمزور اعصاب کی تسکین کا ذریعہ تھا، تاہم جیسا کہ میں پہلے عرض کرچکا ہوں، امت کے مجموعی مزاج نے اس کو قبول نہیں کیا، بلکہ ساتویں صدی کے آغاز سے لے کر آج تک علماء امت نے اسے بدعت قرار دیا اور اسے ''ہر بدعت گمراہی ہے'' کے زمرے میں شمار کیا۔

⑧ عید کا ازخود اضافہ

اگرچہ ''میلاد'' کی رسم ساتویں صدی کے آغاز سے شروع ہوچکی تھی اور لوگوں نے اس میں بہت سے امور کے اضافے بھی کیے، لیکن کسی کو یہ جرأت نہیں ہوئی تھی اسے ''عید'' کا نام دیتا، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ: ''میری قبر کو ''عید'' نہ بنانا'' اور میں اوپر حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کے حوالے سے بتاچکا ہوں کہ ''عید'' منانے کی ممانعت کیوں فرمائی گئی تھی۔ مگر اب چند سالوں سے اس سالگرہ کو ''عید میلاد النبیؐ'' کہلانے کا شرف بھی حاصل ہوگیا ہے۔ دنیا کا کون مسلمان اس سے ناواقف ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لیے ''عید'' کے دو دن مقرر کیے ہیں: عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یومِ ولادت کو بھی ''عید'' کہنا صحیح ہوتا اور اسلام کے مزاج سے یہ چیز کوئی مناسبت رکھتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی اس کو ''عید'' قرار دے سکتے تھے۔ اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ پسندیدہ چیز ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ سہی خلفائے راشدینؓ ہی آپ کے یومِ ولادت کو عید کہہ کر ''جشنِ عید میلاد النبیؐ'' کی طرح ڈالتے، مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اس سے دو ہی نتیجے نکل سکتے ہیں: یا یہ کہ ہم اس کو ''عید'' کہنے میں غلطی پر ہیں، یا یہ کہ نعوذ باللہ! ہمیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یومِ ولادت کی خوشی ہے، مگر صحابہ کرامؓ خصوصاً خلفائے راشدینؓ کو کوئی خوشی نہیں تھی۔ انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنا عشق بھی نہیں تھا جتنا ہمیں ہے۔

تاریخِ ولادت

ستم یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخِ ولادت میں تو اختلاف ہے: بعض ۹ ربیع الاول بتاتے ہیں، بعض ۸ / اور مشہور ۱۲ ربیع الاول ہے، لیکن اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفاتِ شریفہ ۱۲ ربیع الاول ہی کو ہوئی۔ گویا ہم نے ''جشنِ عید'' کے لیے دن بھی تجویز کیا تو وہ جس میں

آنحضرت ﷺ دنیا سے داغِ مفارقت دے گئے۔ اگر کوئی ہم سے یہ سوال کرے کہ تم لوگ ''جشنِ عید'' آنحضرت ﷺ کی ولادتِ طیبہ پر مناتے ہو یا آنحضرت ﷺ کی وفات کی خوشی میں؟... نعوذ باللہ!... تو شاید ہمیں اس کا جواب دینا بھی مشکل ہوگا۔

بہرحال! میں اس دن کو عید کہنا معمولی بات نہیں سمجھتا، بلکہ اس کو صاف صاف تحریف في الدین سمجھتا ہوں، اس لیے کہ ''عید'' اسلامی اصطلاح ہے اور اسلامی اصطلاحات کو اپنی خود رائی سے غیر منقول جگہوں پر استعمال کرنا دین میں تحریف ہے۔

⑨ ''عید میلاد النبی ؐ'' کے موقع پر ہونے والی خرافات

اور پھر یہ عید جس طرح آنحضرت ﷺ کی شان کے مطابق منائی جاتی ہے، وہ بھی لائقِ شرم ہے۔ بے ریش لڑکے غلط سلط نعتیں پڑھتے ہیں، موضوع اور من گھڑت قصے کہانیاں جن کا حدیث وسیرت کی کسی کتاب میں کوئی وجود نہیں بیان کی جاتی ہیں۔ شور وشغب ہوتا ہے، نمازیں غارت ہوتی ہیں، اور نہ معلوم کیا کیا ہوتا ہے۔ کاش! آنحضرت ﷺ کے نام پر جو بدعت ایجاد کی گئی تھی، اس میں کم از کم آپ کی عظمت وتقدس ہی کو ملحوظ رکھا جاتا۔ غضب یہ کہ سمجھا یہ جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ان خرافاتی محفلوں میں بنفسِ نفیس تشریف بھی لاتے ہیں، فیا غربة الإسلام! (ہائے اسلام کی بے چارگی!)

⑩ روضۂ اطہر اور بیت اللہ شریف کی شبیہ بنانا اور اس کی قباحتیں

اب میں اس ''عید میلاد النبی ؐ'' کا آخری کارنامہ عرض کرتا ہوں۔ کچھ عرصے سے ہمارے کراچی میں ''عید میلاد النبی ؐ'' کے موقع پر آنحضرت ﷺ کے ''روضۂ اطہر'' اور ''بیت اللہ'' شریف کی شبیہ بنائی جاتی ہے، اور جگہ جگہ بڑے بڑے چوکوں میں سوانگ بنا کر رکھے جاتے ہیں۔ لوگ ان سے تبرک حاصل کرتے ہیں، اور بیت اللہ کی خود ساختہ شبیہ کا طواف بھی کرتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ مسلمانوں کے ہاتھوں اور علماء کی نگرانی میں کرایا جارہا ہے۔ فیا أسفاه! ''جشنِ عید میلاد'' کی باقی ساری چیزوں کو چھوڑ کر اسی ایک منظر کا جائزہ لیجیے کہ اس میں کتنی قباحتوں کو سمیٹ کر جمع کردیا گیا ہے۔

اول: اس پر جو ہزاروں روپیہ خرچ کیا جاتا ہے، یہ محض اسراف وتبذیر اور فضول خرچی ہے۔ آپ ملا علی قاریؒ کے حوالے سے سن چکے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے قبروں پر چراغ اور شمع جلانے والوں پر اس لیے لعنت فرمائی ہے کہ یہ فعل عبث ہے اور خدا کے دیے ہوئے مال کو مفت ضائع کرنا ہے۔ ذرا سوچیے! جو مقدس نبی ﷺ قبر پر ایک چراغ جلانے کو فضول خرچی کی وجہ سے ممنوع اور ایسا کرنے والوں کو ملعون قرار دیتا ہے، اس کا ارشاد اس ہزاروں، لاکھوں روپے کی فضول خرچی کرنے والوں کے بارے میں کیا ہوگا؟ اور پھر یہ بھی دیکھیے

کہ: یہ فضول خرچی وہ غربت زدہ قوم کررہی ہے، جو روٹی کپڑا مکان کے نام پر ایمان تک کا سودا کرنے کو تیار ہے۔ اس فضول خرچی کے بجائے اگر یہی رقم آنحضرت ﷺ کے ایصالِ ثواب کے لیے غرباء ومساکین کو چپکے سے نقد دے دی جاتی تو نمائش تو بلا شبہ نہ ہوتی، مگر اس رقم سے سیکڑوں اُجڑے گھر آباد ہوسکتے تھے، ان سیکڑوں بچیوں کے ہاتھ پیلے کیے جاسکتے تھے جو اپنے والدین کے لیے سوہانِ روح بنی ہوئی ہیں۔ کیا یہ فضول خرچی اس قوم کے راہنماؤں کو سجتی ہے، جس قوم کے بہت سے افراد وخاندان نانِ شبینہ سے محروم اور جان وتن کا رشتہ قائم رکھنے سے قاصر ہوں؟ اور پھر یہ سب کچھ کیا جارہا ہے کس ہستی کے نام پر؟ جو خود تو پیٹ پر پتھر بھی باندھ لیتے تھے، مگر جانوروں تک کی بھوک پیاس سن کر تڑپ جاتے تھے۔ آج کمیونزم اور لادین سوشلزم اسلام کو دانت دکھا رہا ہے۔ جب ہم دنیا کی مقدس ترین ہستی کے نام پر یہ سارا کھیل کھیلیں گے تو لادین طبقے دین کے بارے میں کیا تأثر لیں گے؟ فضول خرچی کرنے والوں کو قرآنِ کریم نے ''إخوان الشیاطین'' فرمایا تھا، مگر ہماری فاسد مزاجی نے اس کو اعلیٰ ترین نیکی اور اسلامی شعار بناڈالا ہے: ع:

''بسوخت عقل زِ حیرت کہ این چہ بوالعجبی است''

دوم: دوسرے، اس فعل میں شیعوں اور رافضیوں کی تقلید ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ رافضی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی سالانہ برسی منایا کرتے ہیں، اور اس موقع پر تعزیہ، علم، دلدل وغیرہ نکالتے ہیں۔ انہوں نے جو کچھ حسینؓ اور آلِ رسول اللہ ﷺ کے نام پر کیا، وہی ہم نے خود رسول اللہ ﷺ کے نام پر کرنا شروع کردیا۔ انصاف کیجیے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اطہر اور بیت اللہ شریف کا سوانگ بناکر اسے بازاروں میں پھرانا اور اس کے ساتھ روضۂ اطہر اور بیت اللہ کا سا معاملہ کرنا صحیح ہے تو روافض کا تعزیہ اور دلدل کا سوانگ رچانا کیوں غلط ہے؟ افسوس ہے کہ جو ملعون بدعت رافضیوں نے ایجاد کی تھی، ہم نے ان کی تقلید کرکے اس پر مہرِ تصدیق ثبت کرنے کی کوشش کی۔

سوم: تیسرے، اس بات پر بھی غور کیجیے کہ روضۂ اطہر اور بیت اللہ کی جو شبیہ بنائی جاتی ہے وہ شیعوں کے تعزیہ کی طرح محض جعلی اور مصنوعی ہے، جسے آج بنایا جاتا ہے اور کل توڑ دیا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس مصنوعی سوانگ میں اصل روضۂ اطہر اور بیت اللہ کی کوئی خیر وبرکت منتقل ہوجاتی ہے یا نہیں؟ اور اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی اس چیز میں کسی درجہ میں تقدس پیدا ہوجاتا ہے یا نہیں؟ اگر اس میں کوئی تقدس اور کوئی برکت نہیں تو اس فعل کے محض لغو اور عبث ہونے میں کیا شک ہے؟ اور اگر اس میں تقدس اور برکت کا کچھ اثر آجاتا ہے تو اس کی شرعی دلیل کیا ہے؟ اور کسی مصنوعی اور جعلی چیز میں روضۂ مقدس اور بیت اللہ شریف سے تقدس وبرکت کا اعتقاد رکھنا اسلام کی علامت ہے یا جاہلیت کی؟ اور پھر روضۂ شریف اور بیت اللہ شریف کی شبیہ بناکر اگلے دن ان کی توڑ پھوڑ کردینا، کیا ان کی توہین نہیں؟ آپ جانتے ہیں کہ بادشاہ کی تصویر بادشاہ نہیں ہوتی، نہ کسی عاقل

کے نزدیک اس میں بادشاہ کا کوئی کمال ہوتا ہے، اس کے باوجود بادشاہ کی تصویر کی توہین کو قانون کی نظر میں لائقِ تعزیر جرم تصور کیا جاتا ہے، اور اسے بادشاہ سے بغاوت پر محمول کیا جاتا ہے۔ لیکن آج روضۂ اطہر اور بیت اللہ شریف کی شبیہ بنا کر کل اسے منہدم کرنے والوں کو یہ احساس تک نہیں ہوتا کہ وہ اسلامی شعائر کی توہین کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

چہارم: چوتھے، جس طرح شیعہ لوگ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے تعزیہ پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں اور منتیں مانتے ہیں، اب رفتہ رفتہ عوام کالانعام اس نوایجاد ''بدعت'' کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرنے لگے ہیں۔ روضۂ اطہر کی شبیہ پر درود و سلام پیش کیا جاتا ہے، اور بیت اللہ شریف کی شبیہ کا باقاعدہ طواف ہونے لگا ہے۔ گویا مسلمانوں کو حج و عمرہ کرنے کے لیے مکہ مکرمہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ جانے کی ضرورت نہیں، ہمارے ان دوستوں نے گھر گھر میں روضے اور بیت اللہ بنا دیئے ہیں، جہاں سلام بھی پڑھا جاتا ہے اور طواف بھی ہوتا ہے۔ میرے قلم میں طاقت نہیں کہ میں اس فعل کی قباحت و شناعت اور ملعونیت کو ٹھیک ٹھیک واضح کر سکوں۔

ہمارے ائمہ اہلِ سنت کے نزدیک یہ فعل کس قدر قبیح ہے؟ اس کا اندازہ لگانے کے لیے صرف ایک مثال کافی ہے، وہ یہ کہ ایک زمانے میں ایک بدعت ایجاد ہوئی تھی کہ عرفہ کے دن جب حاجی حضرات عرفات کے میدان میں جمع ہوتے ہیں، تو ان کی مشابہت کے لیے لوگ اپنے شہر کے کھلے میدان میں نکل کر جمع ہوتے اور حاجیوں کی طرح سارا دن دعا و تضرع، گریہ و زاری اور توبہ و استغفار میں گزارتے، اس رسم کا نام ''تعریف'' یعنی عرفہ منانا رکھا گیا تھا۔ بظاہر اس میں کوئی خرابی نہیں تھی، بلکہ یہ ایک اچھی چیز تھی کہ اگر اس کا رواج عام ہو جاتا تو کم از کم سال بعد تو مسلمانوں کو توبہ و استغفار کی توفیق ہو جایا کرتی، مگر ہمارے علماءِ اہلِ سنت نے (اللہ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے) اس بدعت کی سختی سے تردید کی اور فرمایا:

''اَلتَّعْرِيْفُ لَيْسَ بِشَيْئٍ''... یعنی ''اس طرح عرفہ منانا بالکل لغو اور بیہودہ حرکت ہے۔''

شیخ ابن نجیمؒ صاحبِ ''البحر الرائق'' لکھتے ہیں:

''چونکہ وقوفِ عرفات ایک ایسی عبادت ہے جو ایک خاص مکان کے ساتھ مخصوص ہے، اس لیے یہ فعل اس مکان کے سوا دوسری جگہ جائز نہ ہوگا، جیسا کہ طواف وغیرہ جائز نہیں، آپ دیکھتے ہیں طوافِ کعبہ کی مشابہت کے طور پر کسی اور مکان کا طواف جائز نہیں۔''

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا کہ: ''میری قبر کو عید نہ بنا لینا۔'' اس میں تحریف کا دروازہ بند کرنے کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ یہود و نصاریٰ نے اپنے نبیوں کی قبروں کے ساتھ یہی کیا تھا

اور انہیں حج کی طرح عید اور موسم بنالیا تھا۔‘‘ (حجۃ اللہ البالغہ)

شیخ علی القاریؒ شرح مناسک میں فرماتے ہیں کہ:

’’طواف‘ کعبہ شریف کی خصوصیات میں سے ہے، اس لیے انبیاءؑ، اولیاءؒ کی قبور کے گرد طواف کرنا حرام ہے۔ جاہل لوگوں کے فعل کا کوئی اعتبار نہیں، خواہ وہ مشائخ وعلماء کی شکل میں ہوں۔‘‘ (بحوالہ: الجنۃ لاہل السنۃ، ص:۷)

’’اور البحر الرائق، کفایہ شرح ہدایہ، اور معراج الدرایۃ میں ہے کہ: جوشخص کعبہ شریف کے علاوہ کسی اور مسجد کا طواف کرے، اس کے حق میں کفر کا اندیشہ ہے۔‘‘ (الجنۃ لاہل السنۃ، ص:۷)

ان تصریحات سے معلوم ہوسکتا ہے کہ روضۂ اطہر اور کعبہ شریف کا سوانگ بنا کر ان کے ساتھ اصل کا سا جو معاملہ کیا جاتا ہے، ہمارے اکابر اہلِ سنت کی نظر میں اس کی کیا حیثیت ہے؟

خلاصہ: یہ کہ ’’جشنِ عید میلاد‘‘ کے نام پر جو خرافات رائج کردی گئی ہیں، اور جن میں ہر آئے سال مسلسل اضافہ کیا جارہا ہے۔ یہ اسلام کی دعوت، اس کی روح اور اس کے مزاج کے یکسر منافی ہیں۔ میں اس تصور سے پریشان ہوجاتا ہوں کہ ہماری ان خرافات کی روئے داد جب آنحضرت ﷺ کی بارگاہِ عالی میں پیش ہوتی ہوگی، تو آپ ﷺ پر کیا گزرتی ہوگی؟ اور اگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم ہمارے درمیان موجود ہوتے، تو ان چیزوں کو دیکھ کر ان کا کیا حال ہوتا؟ بہرحال میں اس کو نہ صرف ’’بدعت‘‘ بلکہ ’’تحریف فی الدین‘‘ تصور کرتا ہوں۔ اور اس بحث کو امامِ ربانی مجدد الف ثانیؒ کے ایک ارشاد پر ختم کرتا ہوں، جو انہوں نے اسی مسئلہ میں اپنے مرشد خواجہ باقی باللہؒ کے بارے میں فرمایا ہے:

’’بنظرِ انصاف بینند کہ اگر فرضاً حضرتِ ایشان درین زمان دنیا زندہ می بودند وایں مجلس واجتماع منعقد می شد آیا بایں امر راضی می شدند، وایں اجتماع را پسندیدند یا نہ؟ یقینِ فقیر آن است کہ ہرگز این معنی را تجویز نمی فرمودند، مقصودِ فقیر اعلام بود، قبول کنند یا نہ کنند، ہیچ مضائقہ نیست و گنجائشِ مشاجرہ نہ۔‘‘

ترجمہ: ’’انصاف کی نظر سے دیکھیے کہ اگر بالفرض! حضرت ایشاں اس وقت دنیا میں تشریف فرما ہوتے اور یہ مجلس اور یہ اجتماع منعقد ہوتا، آیا آپ ﷺ اس پر راضی ہوتے؟ اور اس اجتماع کو پسند فرماتے یا نہیں؟ فقیر کا یقین یہ ہے کہ اس کو ہرگز جائز نہ رکھتے۔ فقیر کا مقصود صرف امرِ حق کا اظہار ہے، قبول کریں یا نہ کریں، کوئی پروا نہیں اور نہ کسی جھگڑے کی گنجائش۔‘‘ (دفترِ اول، مکتوب: ۲۷۳)

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

کرپٹو کرنسی اور عام کرنسی میں فرق

ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی
لیکچرر کمپیوٹر سائنس ڈیپارٹمنٹ، (سی آئی ٹی) آئرلینڈ

کچھ حضرات کی جانب سے بڑے شدّ ومد سے اس بات کا پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے کہ کرپٹو کرنسی اور عام کرنسی میں کوئی فرق نہیں ہے، سوائے اس کے کہ عام کرنسی کو حکومت جاری کرتی ہے، جبکہ کرپٹو کرنسی کو حکومت جاری نہیں کرتی۔ انہی عناصر نے یہ تأثر بھی عوام میں قائم کرنے کی کوشش کی ہے کہ عام کرنسی اور کرپٹو کرنسی، دونوں ہی کمپیوٹر میں درج محض فرضی نمبر ہیں۔ اپنی اس بے بنیاد دلیل کو مزید تقویت دینے کے لیے وہ کہتے ہیں کہ چونکہ دنیا میں کاغذی کرنسی کے تناظر میں ڈیجیٹلائزیشن بہت بڑھ گئی ہے، یعنی کاغذی کرنسی کا ڈیجیٹل استعمال بہت زیادہ ہورہا ہے، مثلاً: آن لائن پیمنٹ یا اے ٹی ایم یا ڈیبٹ کارڈ وغیرہ کی صورت میں، لہٰذا موجودہ معاشی نظام -فریکشنل ریزرو سسٹم- میں کرنسی کا بھی ڈیجیٹل اندارج ہی ہوتا ہے اور جو کمپیوٹر کے کھاتوں میں اندارج شدہ کرنسی ہوتی ہے، اس کے مقابلے میں حسّی کرنسی کی سرکولیشن کی مقدار بہت کم ہے۔ نتیجتاً وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں اور عوام الناس اور علمائے کرام کو گمراہ کرتے ہیں کہ عام کرنسی اور کرپٹو کرنسی دونوں ہی کمپیوٹر میں درج محض فرضی نمبر ہیں اور ان میں صرف بنیادی فرق حکومت کے کنٹرول کا ہے اور کرپٹو کرنسی کو اختیار کرنے میں صرف حکومتی ریگولیشن کی کمی ہے۔ جبکہ حقیقتِ حال اور سائنسی حقائق اس سے یکسر مختلف ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عام کرنسی اور کرپٹو کرنسی میں زمین آسمان کا فرق ہے اور دونوں کے درمیان صرف حکومتی کنٹرول کا فرق سمجھنا یکسر غلط ہے۔ ہم خاص طور پر عوام الناس کے لیے اور حضرات علمائے کرام کے لیے اس مضمون میں کرپٹو کرنسی اور عام کرنسی کے فرق کو واضح کر رہے ہیں، تاکہ ان کا فرق عیاں ہو جائے۔

نمبر شمار	کرپٹو کرنسی	عام کرنسی
1	ہر کوئی اپنی ذاتی کرپٹو کرنسی بنا سکتا ہے۔ اس وقت سترہ ہزار سے زیادہ کرپٹو کرنسیاں وجود میں آچکی ہیں۔	عام کرنسی کو ہر شخص نہیں بنا سکتا۔

2	نئی کرپٹوکرنسی (بٹ کوائن) مائننگ کے عمل سے وجود میں آتی ہے۔ مائننگ کے عمل میں مائنزر کے درمیان مسابقت ہوتی ہے، کوئی اسے دریافت کرنے میں کامیاب ہوتا ہے اور بیشتر ناکام۔ مائننگ کے عمل میں بہت غیر یقینی صورتِ حال ہوتی ہے، یعنی اس بات کی گارنٹی نہیں ہوتی کہ کوئی مائنز اپنے وسائل لگا کر مائننگ کے عمل میں کامیاب بھی ہوجائے گا، یعنی مائنز اپنے وسائل (کمپیوٹر اور بجلی) کو خرچ کرتا ہے، لیکن اسے اس کا صلہ ملنا یقینی نہیں ہوتا۔ عام کرپٹوکرنسی صارف کے لیے مائننگ کے عمل میں کامیاب ہونے کا کھربوں احتمالات میں سے ایک احتمال ہوتا ہے۔	عام کرنسی کے اندر یہ صورتِ حال نہیں ہوتی اور کرنسی بنانے کے عمل کی ذمہ داری حکومتی اداروں کی ہوتی ہے۔
3	کرپٹو کرنسی کے اندر ٹرانزیکشن (عقود) کا نفاذ دوسروں پر موقوف ہے اور اس کے بغیر ٹرانزیکشن مکمل نہیں ہوتی۔	عام کرنسی میں یہ صورتِ حال نہیں ہوتی اور ٹرانزیکشن کا نفاذ دوسروں پر موقوف نہیں۔
4	کرپٹوکرنسی کے مائننگ کے عمل کے نتیجے میں معاوضہ ملتا ہے جو کرپٹوکرنسی (بٹ کوائن) ہی کی شکل میں ہوتا ہے۔	یہ صورتِ حال عام کرنسی میں نہیں ہوتی۔
5	کرپٹوکرنسی کے اندر ٹرانزیکشن فیس ہوتی ہے۔ جو زیادہ فیس اپنی ٹرانزیکشن کی دے گا، مائنرز کوشش کرتے ہیں کہ ایسی ٹرانزیکشن کو اپنے بلاک مائن کرنے کا حصہ بنائیں، تاکہ مائنرز کو زیادہ معاوضہ مل سکے۔ اس صورتِ حال میں اُن ٹرانزیکشنز کو زیادہ فوقیت ملتی ہے جن کی فیس زیادہ ہوتی ہے۔	عام کرنسی کو ٹرانسفر کرنے کی صورت میں بھی کچھ ٹرانزیکشن فیس ہوتی ہے، مگر تمام ٹرانزیکشنز کو یکساں برتا جاتا ہے۔
6	کرپٹوکرنسی کو کسی حکومتی ادارے کی جانب سے جاری نہیں کیا جاتا اور اسے لیگل ٹینڈر تصور نہیں کیا جاتا۔	عام کرنسی کو حکومتی ادارے کی جانب سے جاری کیا جاتا ہے اور اسے لیگل ٹینڈر تصور کیا جاتا ہے۔

7	کرپٹو کرنسی کا حسّی طور پر کوئی وجود نہیں ہے۔ حسّی طور پر تو درکنار ڈیجیٹل طور پر بھی موجود نہیں ہوتی۔	عام کرنسی کا حسّی طور پر وجود ہوتا ہے، چاہے وہ کاغذی شکل میں ہو یا سکّے کی شکل میں ہو، حتیٰ کہ اگر عام کرنسی کو ڈیجیٹل طور پر بھی استعمال کیا جائے تو اس کو حسّی طور پر بھی حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اس وقت دنیا میں کاغذی کرنسی کے تناظر میں ڈیجیٹلائزیشن بہت بڑھ گئی ہے یعنی کاغذی کرنسی کا ڈیجیٹل استعمال بہت زیادہ ہو رہا ہے، مثلاً آئن لائن پیمنٹ یا اے ٹی ایم یا ڈیبٹ کارڈ وغیرہ کی صورت میں۔ موجودہ معاشی نظام - فریکشنل ریزرو سسٹم - میں کرنسی کا بھی ڈیجیٹل اندارج ہی ہوتا ہے اور جو کمپیوٹر کے کھاتوں میں اندارج شدہ کرنسی ہوتی ہے، اس کے مقابلے میں حسّی کرنسی کی مقدار بہت کم ہے۔ اس صورت میں یہ اشکال کیا جاسکتا ہے کہ یہ عام کرنسی اور کرپٹو کرنسی دونوں ہی کمپیوٹر میں درج محض فرضی نمبر ہیں اور ان میں صرف بنیادی فرق حکومت کے کنٹرول کا ہے۔ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ جب صارف ڈیجیٹل طور پر کھاتے میں اندارج شدہ کرنسی کا مطالبہ کرتا ہے تو بینک مطالبہ کرنے والے شخص کو حسّی وجود رکھنے والی رقم ادا کرنے کا پابند ہے، چاہے بینک کو مرکزی بینک سے قرض لینا پڑے یا نئے کرنسی نوٹ چھاپنے پڑیں، مزید تفصیل کے لیے یہ حوالہ دیکھیے۔[1]

8	کرپٹوکرنسی کا کرنسی کے علاوہ کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ کرپٹوکرنسی بذاتِ خود کوئی سافٹ ویئر نہیں ہے، نہ اس کو سافٹ ویئر کی طرح استعمال کیا جاسکتا ہے اور نہ اس سے ذاتی انتفاع حاصل کیا جاسکتا ہے اور نہ یہ دوسرے کمپیوٹر پروگرامز اور ایپلیکیشنز کی طرح ہے۔ اس کی ذاتی قیمت Intrinsic value بھی نہیں ہوتی اور اس میں مصنوعی طور پر قیمت پیدا کی گئی ہے۔ کسی کرپٹوکرنسی کے استعمال کرنے والے اس کرپٹوکرنسی کی مارکیٹ میں اس کرپٹوکرنسی کی طلب اور رسد کی بنیاد پر اس کی قدر کا تعین کرتے ہیں۔	عام کرنسی کا کرنسی کے علاوہ بھی کسی نہ کسی شکل میں فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے، اور اس کی ذاتی قیمت Intrinsic value بھی ہوتی ہے، خواہ وہ ذاتی قیمت اس کی فیس ویلیو سے بہت کم ہی کیوں نہ ہو۔
9	بٹ کوائن کرپٹوکرنسی میں کوائن سرے سے موجود ہی نہیں ہوتے، بلکہ بٹ کوائن کرپٹوکرنسی کھاتے یعنی لیجر میں محض فرضی نمبروں کا اندراج ہے۔	عام کرنسی محض فرضی نمبروں کا اندراج نہیں ہے، بلکہ حقیقی کرنسی کا کھاتے میں اندراج کیا جاتا ہے۔
10	عالمی معاشی ماہرین کے مطابق کرپٹوکرنسی، کرنسی نہیں ہے! یورپی یونین کی اقتصادی اور مالیاتی امور کی کمیٹی نے اپنی رپورٹ یورپین پارلیمنٹ میں جمع کروائی ہے، جس میں عالمی معاشی ماہرین کے مطابق ڈیجیٹل کرنسیوں کو بطور آلۂ مبادلہ استعمال نہیں کیا جارہا اور نہ ہی کیا جاسکتا ہے۔[2] نیز کرپٹوکرنسیوں کو بطور قدر شمار کرنے کے استعمال نہیں کیا جاسکتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ کرپٹوکرنسیاں، کرنسی کے بنیادی اوصاف پر پورا نہیں اُترتیں۔	عام کرنسی کو بطور آلۂ مبادلہ استعمال کیا جاتا ہے اور یہ کرنسی کے بنیادی اوصاف پر پورا اُترتی ہیں۔
11	بٹ کوائن کرپٹوکرنسی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں کیا جاتا، بلکہ ٹرانزیکشن کا لیجر میں اندراج کیا جاتا ہے،	عام کرنسی کو حقیقی طور پر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جاتا ہے اور اگر عام

	جو کہ بٹ کوائن کرپٹوکرنسی کی ملکیت کے ثبوت کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور اس کے لیے ''پبلک پرائیویٹ کی'' اور ''یوٹی ایکس او'' UTXO کا استعمال کیا جاتا ہے۔	کرنسی کا ڈیجیٹل ٹرانسفر ہو تب بھی Settlement سیٹلمنٹ کرلی جاتی ہے اور باقاعدہ منتقلی عمل میں لائی جاتی ہے۔
12	ایک سائنسی تحقیق کے مطابق بٹ کوائن کو بطور کرنسی استعمال نہیں کیا جارہا اور نہ ہی کیا جاسکتا ہے۔تقریباً دو سے پانچ فیصد لوگوں نے بٹ کوائن کو چیزوں اور اشیاء کی خریداری کے لیے استعمال کیا، جبکہ پچانوے فیصد لوگوں نے اس کو بطور سرمایہ کاری کے استعمال کیا۔[3]	عام کرنسی کی صورتِ حال اس کے برعکس ہوتی ہے۔گوکہ لوگ اس کا کچھ فیصد حصہ سرمایہ کاری کے لیے استعمال کرسکتے ہیں، مگر عام کرنسی کا بنیادی استعمال چیزوں، سروسز اور اشیاء کی خریداری کے لیے ہی ہوتا ہے۔
13	یورپی سپروائزری اتھارٹیز صارفین کو خبردار کرتی ہیں کہ بہت سے کرپٹو اثاثے انتہائی رسکی اور سٹے بازی یعنی قیاس آرائی پر مبنی ہیں۔یہ زیادہ تر ریٹیل صارفین کے لیے بطور سرمایہ کاری یا ادائیگی یا تبادلے کے لیے موزوں نہیں ہیں۔[4]	عام کرنسی کے اندر ایسی صورتِ حال نہیں ہوتی کہ حکومتی ادارے لیگل ٹینڈر کے بارے میں ہی یہ کہیں کہ یہ سرمایہ کاری یا ادائیگی کے لیے موزوں نہیں ہیں۔
14	ایک سائنسی تحقیق کے مطابق تین کرپٹوکرنسیوں یعنی ڈوج کوائن Dogecoin، زیڈکیش ZCash، اور ایتھریم کلاسک Ethereum Classic میں اکیاون فیصد سے زیادہ دولت سو سے کم لوگوں (ایڈریس) کے پاس مرتکز ہے۔[5] یعنی مجموعی طور کرپٹوکرنسی میں دولت کی تقسیم سائنسی اعداد وشمار کے مطابق اصلی دنیا کی معیشت سے بھی بری ہے۔	عام کرنسی کے اندر بھی دولت کچھ لوگوں کے پاس مرتکز ہوتی ہے، مگر یہ دولت کی تقسیم کرپٹوکرنسی کی حد تک بری نہیں ہے۔
15	کرپٹوکرنسی کو انتظامی طور پر کچھ ادارے اور لوگ کنٹرول کرتے ہیں اور یہ مروجہ سودی بینک نظام سے بھی بدتر ہے۔	عام کرنسی کی کنٹرولنگ حکومتی اداروں کے زیرِنگرانی ہوتی ہے۔

16	بٹ کوائن سے چیزوں کی خریداری صرف کمپیوٹر یا موبائل فون سے ہی ممکن ہے۔ اس کے بغیر اس کی پیداوار، اس کا تبادلہ اور اس کے ذریعے روزمرہ کی اشیاء کی خریداری ممکن نہیں، یعنی بٹ کوائن نیٹ ورک کا حصہ بننا ضروری ہے۔	عام کرنسی میں یہ صورتِ حال نہیں اور اس کے لیے کسی خاص نیٹ ورک (بلاک چین) کا حصہ بننے کی ضرورت نہیں ہے۔
17	کرپٹو کرنسی کی قیمت میں بہت زیادہ اُتار چڑھاؤ ہے، جس کے سبب اس کا استعمال سٹے بازی میں بہت ہو رہا ہے۔	عام کرنسی کے اندر بھی اُتار چڑھاؤ ہوتا ہے، مگر اتنا نہیں کہ جتنا کرپٹو کرنسی میں ہوتا ہے۔
18	اس کی قیمت میں کمی اور زیادتی پر چند لوگ اور اداروں کا قبضہ ہے اور یہ حقیقی طور پر ڈی سینٹرلائزڈ نہیں ہے، جیسا کہ دعویٰ کیا جاتا ہے۔ شروع کے دو سالوں میں بٹ کوائن کی تمام دولت پر محض ۶۴ لوگوں کا قبضہ تھا۔ [6] یعنی بٹ کوائن لانچ ہونے سے لے کر بٹ کوائن کی قیمت ایک امریکی ڈالر تک، یعنی تقریباً دو سال کا عرصہ، چونسٹھ لوگ وہ ہیں جنہوں نے زیادہ تر بٹ کوائن کو مائن کیا۔	عام کرنسی سینٹرلائزڈ ہوتی ہے اور حکومتیں اسے کنٹرول کرتی ہیں۔
19	عالمی معاشی ماہرین کی نزدیک بٹ کوائن کرپٹو کرنسی لاٹری کی ایک شکل ہے۔ [7]	عام کرنسی کے بارے میں عالمی معاشی ماہرین کی یہ رائے نہیں ہے۔
20	نومبر سن ۲۰۲۱ء تک ۹ ممالک نے کرپٹو کرنسی پر واضح پابندی لگا دی ہے۔ کرپٹو کرنسی پر واضح پابندی لگانے والے نو ممالک میں یہ ممالک شامل ہیں: الجزائر، بنگلہ دیش، تیونس، چین، مصر، عراق، مراکش، نیپال اور قطر۔ نومبر سن ۲۰۲۱ء تک ۴۲ ممالک نے کرپٹو کرنسی پر چھپی ہوئی پابندی لگا دی ہے۔ چھپی ہوئی پابندی سے مراد یہ ہے کہ ان ممالک میں بینکوں اور دیگر مالیاتی اداروں کو کرپٹو کرنسیوں میں لین دین کرنے یا کرپٹو کرنسیوں میں کاروبار کرنے والے افراد یا کاروباروں کو خدمات	عام کرنسی پر اتنے وسیع پیمانے پر پابندی نہیں لگی ہوئی۔

	پیش کرنے سے روکنا یا کرپٹو کرنسی ایکسچینج پر پابندی لگانا شامل ہیں۔ جن بیالیس ممالک نے کرپٹو کرنسی پر چھپی ہوئی پابندی لگائی ہے ان میں یہ ممالک سرفہرست ہیں: بحرین، جارجیا، انڈونیشیا، کویت، لبنان، لیبیا، مالدیپ، مالی، پاکستان، سعودی عرب، ترکی، سینیگال، ویت نام، اور تاجکستان وغیرہ شامل ہیں [8]۔ کرپٹو کرنسی سے متعلق ٹیکس قوانین اور انسدادِ منی لانڈرنگ اور انسدادِ دہشت گردی کے قوانین نافذ کرنے والے ملکوں کی تعداد نومبر سن ۲۰۲۱ء تک ۱۰۳ ممالک تک جاپہنچی ہے۔ یورپی پارلیمان میں کرپٹو اثاثوں سے متعلق اس وقت (Markets in crypto-assets MiCA) کے نام سے ریگولیشن ہورہی ہے، یعنی ایک نیا ریگولیٹری فریم ورک متعارف کروایا جائے گا جس کا مقصد سرمایہ کاروں کی حفاظت کرنا اور مالی استحکام کو یقینی بنانا ہے، جبکہ جدت کی اجازت دیتے ہوئے اور کرپٹو اثاثہ کے شعبے کی کشش کو فروغ دینا ہے۔ اس ریگولیشن کے دائرہ کار میں اسٹیبل کوائن بشمول دیگر کرپٹو اثاثے وکوائن آتے ہیں۔ اس ریگولیشن کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ یورپ اب کرپٹو کرنسی (بٹ کوائن) کو لیگل ٹینڈر تسلیم کررہا ہے یا کرپٹو کرنسی اب یورپ میں رائج ہورہی ہے۔ نیز اس ریگولیشن کی موجودگی میں بھی کرپٹو کرنسی پر یورپی سینٹرل بینک کی وارننگز برقرار ہیں کہ کرپٹو کرنسی میں سرمایہ کاری اور لین دین سے احتراز کیا جائے۔	
21	موجودہ وقت میں کرپٹو کرنسی (بٹ کوائن) میں ٹرانزیکشن کی رفتار کم ہے۔	عام کرنسیوں میں ٹرانزیکشن کی رفتار تیز ہوتی ہے۔
22	کرپٹو کرنسی مائننگ کے عمل سے بے تحاشہ بجلی ضائع ہوتی ہے۔	عام کرنسی میں یہ صورت نہیں ہے۔

23	کرپٹو کرنسی میں ٹرانزیکشن واپس نہیں ہوسکتی۔ ٹرانزیکشن کی واپسی کے لیے نئی ٹرانزیکشن کرنی پڑتی ہے۔	عام کرنسی میں ٹرانزیکشن واپس ہوسکتی ہے۔
24	کرپٹو کرنسی میں کوئی ٹرانزیکشن اگر غلط ایڈریس پر بھیج دی تو وہ واپس نہیں ہوسکتی۔	عام کرنسی میں یہ صورتِ حال نہیں ہوتی۔
25	دیگر کرنسیوں کے مقابلے میں کرپٹو کرنسی (بٹ کوائن) کے ایکسچینج ریٹ میں ۱۴۲ فیصد اُتار چڑھاؤ ہوا۔[2]	عام کرنسیوں میں یہ ایکسچینج ریٹ ۷ فیصد سے ۱۲ فیصد تک اُتار چڑھاؤ ہوا، جبکہ گولڈ (سونے) میں یہ ۲۲ فیصد تک گیا ہے۔
26	کرپٹو کرنسی (بٹ کوائن) کو قدر کے شمار کرنے میں عام تاجروں کے لیے مشکلات ہیں اور اس کی وجہ ۴ سے زیادہ اعشاریہ میں قیمتوں کا تعین ہے۔	یہ صورت عام کرنسی میں نہیں ہوتی۔

حواشی وحوالہ جات

[1] مفتی محمد تقی عثمانی، اسلام اور جدید معیشت وتجارت، مکتبہ معارف القرآن، کراچی

[2] GERBA, E. and RUBIO, M Virtual Money: How Much do Cryptocurrencies Alter the Fundamental Functions of Money Study for the Committee on Economic and Monetary Affairs, Policy Department for Economic, Scientific and Quality of Life Policies, European Parliament, Luxembourg, 2019

[3] Dirk G. Baur, KiHoon Hong, Adrian D. Lee, Bitcoin: Medium of exchange or speculative assets Journal of International Financial Markets, Institutions and Money, Volume 54,2018

[4] European Supervisory Authorities Warnings on Cryptocurrency, Source: https//:www .eba .europa .eu/eu-financial-regulators-warn-consumers-risks-crypto-assets

[5] Ashish Rajendra Sai, Jim Buckley and Andrew Le Gear, Characterizing Wealth Inequality in Cryptocurrencies, Frontiers in Blockchain, Vol.4,Article 730122,December 2021

[6] Alyssa Blackburn, Christoph Huber, Yossi Eliaz, Muhammad Saad Shamim, David Weisz, Goutham Seshadri, Kevin Kim, Shengqi Hang, Erez Lieberman Aiden, Cooperation among an anonymous group protected Bitcoin during failures of decentralization, CoRR abs/2206,02871,Jun 2022

[7] Mark Carney(Bank of England Governor, The Future of Money, Bank of England, 2018 https//:www.bankofengland.co.uk/speech/2018/mark -carney -speech -to -the -inaugural -scottish -economics -conference.

[8] Law Library of Congress, Regulation of Cryptocurrency Around the World: November 2021Update, WashingtonDC,USA.Link: https//:tile.loc.gov/storage -services/service /ll/llglrd/ 2021687419/ 2021687419.pdf

شرعی اصطلاحات اور ان سے متعلق چند مباحث

مولانا عبید الرحمٰن
مایار، مردان

اصطلاحات کا پسِ منظر

جس طرح ہر فکر و فلسفہ اپنے تئیں کچھ مخصوص اصطلاحات رکھتا ہے جن کا اپنا مخصوص پسِ منظر ہوتا ہے اور ان اصطلاحی الفاظ کو اپنے مقرر کردہ مفہوم و معنی میں لینا ضروری ہوتا ہے، ان الفاظ کا لغوی معنی مقصود ہوتا ہے اور نہ ہی متعلقہ فن کی باتوں کو ان الفاظ کے لغوی معنیٰ پر حمل کرنا درست ہوتا ہے۔ یوں ہی دینِ اسلام اور شریعتِ اسلامیہ بھی اپنے دامن میں کچھ اصطلاحی الفاظ رکھتے ہیں اور قرآن وسنت میں اگر وہ الفاظ استعمال ہوجائیں تو ان سے وہی مقرر کردہ مراد و مفہوم لینا ضروری ہوتا ہے جو شریعت نے طے کیا ہوتا ہے۔ ان سے عام لغوی معنی مراد لینا اور نصوص کو اسی لغوی معنی پر حمل کرنا کسی طرح درست نہیں ہوتا۔

شرعی اصطلاحات کی اہمیت

ان اصطلاحات کو جاننے کی ضرورت اس لیے بھی بڑھ جاتی ہے کہ بہت سے شرعی احکام و مقاصد کا تحفظ اس پر موقوف ہے، چنانچہ قرآن وسنت کی بیسیوں نصوص ایسی ہیں جن میں مختلف الفاظ کے ساتھ کچھ احکام، فضائل یا وعیدات ذکر ہوتے ہیں، ان احکام وغیرہ کا مصداق ان الفاظ کا لغوی مفہوم نہیں ہوتا، بلکہ شریعت نے اس کا جو مفہوم مقرر فرمایا ہوتا ہے وہی مقصود ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ متعلقہ حکم، فضیلت یا وعید کو مربوط کرنا مطلوب ہوتا ہے۔ ان جیسے نصوص کو اگر شرعی مفاہیم پر حمل نہ کیا جائے تو دین میں تحریف کا دروازہ کھل جاتا ہے، لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ بحالتِ موجودہ اسی بے اصولی کے آئے دن مظاہر سامنے آتے رہتے ہیں اور علمی رسوخ، اصولی مہارت اور مزاج میں اعتدال نہ ہونا وغیرہ کچھ عناصر کی وجہ سے اس نوع کی غلطیاں بکثرت پیش آتی رہتی ہیں۔

شرعی اصطلاح کیونکر بنتی ہے؟

اس سلسلہ میں بنیادی بات یہی ہے کہ کوئی چیز شرعی اصطلاح کیونکر بنتی ہے؟ کسی لفظ کو شرعی اصطلاح کی حیثیت کب حاصل ہوتی ہے؟ اصولی طور پر دیکھا جائے تو درج ذیل صورتوں میں کوئی چیز شرعی اصطلاح کی حیثیت اختیار کرلیتی ہے:

۱: شریعت کوئی لفظ نئے سرے سے وضع کرے اور ایک خاص طے شدہ مفہوم میں اس کو استعمال کرے۔ ''نئے سرے'' کا مطلب یہ ہے کہ پہلے سے وہ لفظ مستعمل نہ ہو، ایسے لفظ کا شرعی اصطلاح ہونا محتاجِ بیان نہیں ہے، تاہم اس کی مثال نایاب یا کمیاب ہے۔

۲: لفظ تو پہلے سے عربی زبان اور عربی محاورات میں استعمال ہوتا رہا ہے، لیکن شریعت نے اس کو ایک خاص جامہ پہنایا اور لغوی معنی سے ہٹ کر کسی دوسرے معنی میں استعمال کیا۔ مثال کے طور پر ''زکوٰۃ'' کا لفظ ہے کہ عربی دان کے لیے شریعت کے آنے سے پہلے بھی یہ لفظ کوئی اجنبی نہیں تھا، بلکہ وہ اس لفظ اور اس کے معنیٰ سے واقف تھے اور روزمرہ کے محاورات میں استعمال بھی کرتے تھے، لیکن شریعت نے اس کو لغوی معنی (بڑھوتری) سے ہٹا کر ایک دوسرے معنی میں استعمال کیا جو ایک خاص قسم کی عبادت ہے اور یہ نیا مفہوم ایسا ہے کہ عرب کے باشندے پہلے اس سے بالکل مانوس نہ تھے۔

۳: لفظ پہلے سے عربی زبان میں استعمال ہوتا ہو اور شریعت نے اس لغوی معنی کو کلی طور پر متروک نہ کیا ہو، تاہم اس میں کوئی تغیر کیا ہو، چاہے وہ تغیر کمی کی صورت میں ہو یا زیادتی کی شکل میں، لیکن ضروری ہے کہ یہ تغیر اس لفظ کے شرعی مفہوم میں داخل کردیا جائے، جس کی نشانی یہی ہے کہ اگر وہ تغیر موجود نہ ہو تو شریعت کی نظر میں وہ چیز ہی معتبر نہ ہو اور اس پر متعلقہ احکام مرتب نہ ہوں۔

امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ان کے شاگرد امام جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ: وہ آیتِ کریمہ ''السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ'' کے عموم سے استدلال کرنے کو درست نہیں سمجھتے تھے اور اس کی وجہ یہی بیان فرماتے تھے کہ اس کا لغوی معنی ومفہوم شریعت نے برقرار نہیں رکھا، بلکہ اس میں مختلف تغیر وتصرف فرمایا ہے، اب اس سے اپنا لغوی معنی مراد لینا درست نہیں ہے۔ ''فصول في الأصول'' میں ہے:

''وَقَدْ كَانَ شَيْخُنَا اَبُوْ الْحَسَنِ الْكَرْخِيُّ رَحِمَهُ اللهُ يَقُوْلُ مَرَّةً فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى: ''السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا'' إِنَّهٗ (مِنَ الْمُجْمَلِ) لَا يَصِحُّ الْإِحْتِجَاجُ بِعُمُوْمِهٖ لِتَعَلُّقِ الْحُكْمِ فِيْهِ بِمَعَانٍ لَا يَنْتَظِمُهَا الْإِسْمُ وَلَيْسَ هُوَ عِبَارَةً عَنْهَا مِنْ نَحْوِ الْمِقْدَارِ وَالْحِرْزِ، فَصَارَ كَاسْمِ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَالصَّوْمِ وَنَحْوِهَا لِتَعَلُّقِ

الْحُكْمِ فِيْهَا بِمَعَانٍ لَمْ يَكُنِ الْاِسْمُ مَوْضُوْعًا لَهَا فِي اللُّغَةِ.''

ترجمہ: ''ہمارے شیخ ابوالحسن کرخی رحمہ اللہ نے ایک بار آیتِ کریمہ ''السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ'' کے بارے میں ذکر فرمایا کہ یہ مجمل ہے، جس کے عموم سے استدلال کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ یہ حکم ایسے امور کے ساتھ مربوط ہے جس کو لفظِ ''سرقہ'' (لغوی لحاظ سے) شامل نہ تھا، مثال کے طور پر خاص مقدار اور حفاظت کا ضروری ہونا، لہٰذا یہ لفظ ''صلاۃ''، ''زکاۃ'' اور ''صوم'' جیسے الفاظ کی طرح ہو گیا، ان تمام الفاظ میں شرعی حکم کا تعلق ایسے امور کے ساتھ ہے جن کے لیے یہ الفاظ لغوی لحاظ سے موضوع نہ تھے۔''

ان آخری دونوں صورتوں کو شرعی اصطلاح قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں لفظ گو اپنے اصل معنی میں پہلے ہی سے استعمال ہوتا ہے اور زبان داں شروع ہی سے اس سے واقف ہوتے ہیں، لیکن شریعت نے اس کا جو خاص مفہوم و مصداق مقرر کیا ہے، وہ پہلے معلوم نہ تھا یا متبادر نہ تھا، شریعت کی تعیین وتحدید کی وجہ سے چونکہ وہ اس لفظ کا مصداق ٹھہرا، اس لیے اس معنی میں اس کو شرعی اصطلاح کہا جاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس کو ''منقولِ شرعی'' سے بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔

اصولی حیثیت کا جائزہ

''صلاۃ''، ''زکاۃ'' اور ''صوم'' جیسے الفاظ، جن کو ہم شرعی اصطلاحات کہتے اور سمجھتے ہیں، ان کی اصولی نوعیت کیا ہے؟ علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ نے اس پر مختصر مگر پُرمغز گفتگو فرمائی ہے، ان کی مشہور اصولی کتاب ''تحریر'' اور اس کی شرح ''تقریر'' میں ہے:

'' (مسألة لا خلاف أن) الأسماء (المستعملة لأهل الشرع من نحو الصلاة والزكاة) في غير معانيها اللغوية (حقائق شرعية يتبادر منها ما علم) لها من معانيها المذكورة (بلا قرينة) سواء كان ذٰلك لمناسبة بينهٗ وبين المعنى اللغوي، فيكون منقولا أو لا، فيكون مبتدأ (بل) الخلاف (في أنها) أي الأسماء المستعملة لأهل الشرع في المعاني المذكورة حقيقة (عرفية للفقهاء) أي بسبب وضعهم إياها لتلك المعاني، فهي في تخاطبهم تدل عليها بلا قرينة. وأما الشارع فإنما استعملها فيها مجازا عن معانيها اللغوية بمعونة القرائن، فلا تحمل عليها إلا بقرينة (أو) حقيقة شرعية (بوضع الشارع) حتى أنها في كلامه وكلامهم تدل عليها بلا قرينة، (فالجمهور) الواقع (الثاني) أي أنها حقيقة شرعية (فعليه) أي الثاني (يحمل كلامهٗ) أي الشارع. وكلام أهل الفقه والأصول ومن يخاطب باصطلاحهم أيضا إذا وقعت

مجردة عن القرائن لأنه الظاهر منه ومنهم (والقاضي أبو بكر) الواقع (الأول) أي أنها حقيقة عرفية للمتشرعة لا للشارع (فعلى اللغوي) يحمل إذا وقعت في كلامه محتملة للغوي والشرعي (إلا بقرينة) توجب حملهٔ على الشرعي لزعمه أنها مبقاة على حقائقها اللغوية على ما زعمهٔ بعضهم وسيأتي ما يوافقهٔ في الاستدلال كما ينبه المصنف عليه .''

ترجمہ: ''اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اہلِ شرع جو الفاظ اپنے معنی لغوی کے علاوہ دوسرے معانی میں استعمال کرتے ہیں، ان کو حقیقتِ شرعیہ کہا جاتا ہے، جیسے لفظ صلاۃ اور زکاۃ، اور ذہن ان معانی کی طرف بغیر کسی قرینہ کے چلا جاتا ہے، چاہے یہ معنی لغوی اور منقولی میں کسی مناسبت کے طور پر ہو یا بغیر کسی مناسبت کے ہو، پہلے کو منقولی کہا جاتا ہے اور دوسرے کو مبتدأ، بلکہ اختلاف اس بات میں ہے کہ فقہاء کے ہاں یہ حقیقتِ عرفیہ ہے یا شرعیہ؟ یعنی فقہاء نے ان الفاظ کو ان کے اپنے معانی کے لیے وضع کیا ہے تو یہ ان کی اصطلاح میں بغیر کسی قرینہ کے ان معانی پر دلالت کرتے ہیں، اور شارع نے قرائن کی بنیاد پر اپنے لغوی معانی سے نقل کر کے دوسرے معانی میں مجازاً استعمال کیا ہے، تو اب قرینہ کے بغیر ان الفاظ کو منقول الیہ معانی پر محمول نہیں کیا جائے گا، یا حقیقتِ شرعیہ ہے، یعنی شارع نے ان الفاظ کو انہی معانی کے لیے وضع کیا ہے، تو شرع اور فقہاء کی اصطلاح میں بغیر قرینہ کے ان معانی پر دلالت کرے گا؟

جمہور کا مسلک یہ ہے کہ یہ حقیقتِ شرعیہ ہے، اور شارع، اہلِ فقہ اور اصولِ فقہ والوں کا کلام اسی پر محمول کیا جائے گا، اگر بغیر کسی قرینہ کے پایا جائے، اور قاضی ابوبکرؒ کے ہاں یہ حقیقتِ عرفیہ ہے، تو جب یہ لفظ ایسی جگہ پر پایا جائے کہ جہاں دونوں معانی کا احتمال رکھتا ہو تو اہلِ لغت اس کو معنی لغوی پر محمول کریں گے، الا یہ کہ وہاں کوئی ایسا قرینہ پایا جائے کہ وہ شرعی معنی پر حمل کرنے کا تقاضا کرتا ہو تو اس صورت میں اسی پر محمول کیا جائے گا، اس لیے کہ اہلِ لغت کا گمان یہ ہے کہ یہ اپنے حقیقی معنی لغوی میں برقرار ہے، لہٰذا بغیر قرینہ کے دوسرے معنی پر محمول نہیں کیا جائے گا۔ اور استدلال کرنے میں اسی کے موافق مزید تفصیل آگے آجائے گی، جیسا کہ مصنف اس پر تنبیہ کرے گا۔''

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ درج بالا الفاظ اور شرعی اصطلاحات کی اصولی نوعیت کے بارے میں اہلِ علم کے دو موقف ہیں:

الف: یہ الفاظ ان مخصوص معانی میں حقیقتِ شرعیہ ہے جن کو خود شریعت نے ہی ان مفاہیم کے لیے متعین کر رکھا ہے۔

ب: یہ الفاظ ان مخصوص معانی میں حقیقتِ شرعیہ نہیں ہے جن کو خود شریعت نے ہی ان مفاہیم کے لیے متعین کر رکھا ہو، بلکہ اپنے اصل کے لحاظ سے تو یہ الفاظ لغوی معانی میں ہی استعمال ہوتے تھے، شریعت نے کسی قرینے پر اعتماد کرتے ہوئے اس کو مجاز کے طور پر اپنے ان متعین کردہ مفاہیم میں استعمال کیا ہے۔

دونوں اقوال میں اختلاف کی بنیاد پر فرق یہ سامنے آئے گا کہ اگر الفاظ کو ان معانی میں شرعی حقیقت تسلیم کر لیا جائے تو وہی اس کے اصل حقیقی معانی متصور ہوں گے اور ان شرعی مفاہیم کے مراد لینے کے لیے کسی خارجی قرینے کی ضرورت نہ رہے گی، بلکہ جس طرح ہم دیگر الفاظ بول کر اس کے حقیقی معنی ہی مراد لیتے ہیں اور اس کے لیے کسی دلیل وسہارے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے، یوں ہی اگر نصوص میں اس قسم کے الفاظ استعمال ہو جائیں، تو ان سے اپنا شرعی مفہوم ہی مراد ہوگا اور اس کے لیے کسی قرینے کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی۔ اگر شرعی حقیقت کی بجائے اس کو حضرات فقہائے کرام کی عرفی حقیقت قرار دیا جائے تو اس صورت میں نتیجہ یہ ظاہر ہوگا کہ جن نصوص میں یہ الفاظ استعمال ہوں، وہاں ان سے شرعی یا فقہی مفہوم مراد نہیں ہوگا، بلکہ متبادر لغوی مفہوم ہی اس سے مراد ہوگا، البتہ اگر اس کے خلاف پر کوئی قرینہ قائم ہو تو اس کے مطابق مفہوم متعین ہوگا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ شرعی حقیقت ماننے کی صورت میں ان الفاظ سے شرعی مفاہیم ہی مراد ہوں گے اور لغوی معنی مراد لینے کے لیے قرینہ کی ضرورت ہوگی، جبکہ دوسرے قول کے مطابق معاملہ برعکس ہوگا، یعنی نصوص میں جہاں یہ الفاظ ذکر ہوں گے، وہاں ان سے عام لغوی معانی ہی مراد ہوں گے، اس کے علاوہ مفہوم مراد لینے کے لیے قرینہ کی ضرورت ہوگی۔

اب ان میں سے پہلا قول تو جمہور اصولیین اور حضرات فقہائے کرام کا ہے، جبکہ دوسرا قول امام باقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب منسوب ہے اور علامہ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے بھی یہی منقول ہے۔ دلیل وتوجیہ کے لحاظ سے جمہور ہی کا قول زیادہ راجح ہے، چنانچہ علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے درج بالا عبارت کے بعد امام باقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا جواب بھی دیا ہے۔

شرعی اور فقہی اصطلاح کا فرق

شرعی اصطلاح کی تعیین وتحدید شریعت کے مصادر سے ہی ہوسکتی ہے، جبکہ علمِ فقہ یا دیگر علوم

وفنون کی اصطلاحات کی تحدید کے لیے نص کا ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ کسی بھی علم وفن والے کسی بھی وقت اس کا تعین کر سکتے ہیں۔ استعمال کے لحاظ سے دونوں میں فرق یہ ہے کہ:

الف: شرعی نصوص یعنی قرآن وحدیث میں اگر کوئی لفظ مستعمل ہے تو اگر وہ لفظ ایسا ہو جس کا شریعت نے عام لغوی معنی سے ہٹ کر کوئی مفہوم ومصداق متعین کیا ہو، جس کی تفصیل اوپر ذکر کی جا چکی ہے، تو اس سے وہی شرعی مفہوم ہی مراد ہوگا۔

ب: شرعی نصوص میں استعمال ہونے والا لفظ اگر ایسا نہ ہو جو اصولی معنی میں شرعی اصطلاح کہلاتا ہے تو اس سے متبادر لغوی معنی ہی مراد ہوگا۔ ایسے الفاظ کو لغوی متبادر معانی سے ہٹا کر کسی دوسرے معنی ومفہوم پر حمل کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ تحریفِ دین کا راستہ ہے، البتہ اگر اس متبادر معنی مراد لینے سے کوئی اصولی مانع موجود ہو تو دوسری بات ہے۔

ج: جس طرح شرعی نصوص کو متبادر لغوی معانی سے پھیر کر کسی دوسرے مفہوم پر حمل کرنا بھی کسی طرح درست نہیں ہے، یوں ہی ان نصوص کو ان فنی اور فقہی اصطلاحات پر حمل کرنا جائز نہیں ہے جو بعد کے دور میں اہلِ علم نے متعین فرمائی ہوں۔

اصطلاح مقرر کرنے کا حکم

اگر کسی علم وفن والے اپنے لیے کوئی اصطلاح وضع کرنا چاہیں تو اس میں بذاتِ خود کوئی مضائقہ نہیں ہے، چاہے اس کے لیے کوئی نیا لفظ ایجاد کریں یا کسی لفظ کو عام لغوی معنی سے پھیر کر اصطلاحی مفہوم کے لیے متعین کریں، دونوں صورتوں میں ممانعت کی کوئی بات نہیں ہے۔ یوں ہی اگر کوئی گروہ/ جماعت اپنے لیے اس طرح کوئی اصطلاح مقرر کرنا چاہے تو چونکہ اصل اشیاء میں اباحت ہے، اس لیے اس میں بھی مضائقہ نہیں ہے، چنانچہ مشہور ہے کہ: ''لا مشاحة في الاصطلاح'' اصطلاح مقرر کرنے میں نزاع کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

تاہم یہ ساری تفصیل فی نفسہٖ اصطلاح مقرر کرنے میں ہے۔ اگر اس کے ساتھ کچھ خارجی عناصر مل جائیں اور وہ عوامل ایسے ہوں جو اس کے ناجائز ہونے کے متقاضی ہوں تو اس کو ان عوامل کی بنیاد پر ناجائز ہی کہا جائے گا، مثال کے طور پر قادیانی لوگ جن کے کافر ہونے پر پوری امت کا اجماع واتفاق ہو چکا ہے، وہ اپنے بڑوں کو خلفاء، اپنی عبادت گاہوں کو مساجد، مقبرے کو جنت البقیع نام دیتے ہیں تو چونکہ اس اصطلاح کی اجازت دینے میں متعدد شرعی مفاسد ہیں، اس لیے یہ ممنوع ہی کہلاتے ہیں اور کسی صورت

میں ان جیسی اصطلاحات وضع کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

یہی وہ اصولی نکتہ ہے جس پر کما حقہ غور نہ کرنے کی وجہ سے شرعی احکام ومسائل بیان کرنے میں دسیوں غلطیاں اور غلط فہمیاں جنم لیتی ہیں، اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک کسی چیز کی ذاتی حیثیت سے اس کا حکم ہوتا ہے اور دوسرا خارجی عوامل اور بیرونی عناصر کی بنیاد پر اس کی حیثیت ہوتی ہے، ضروری نہیں ہے کہ دونوں حیثیتوں سے کسی چیز کا حکم ایک جیسا ہو، بلکہ سیکڑوں ایسی صورتیں ہوسکتی ہیں جہاں فی نفسہٖ کسی چیز کا حکم الگ ہوتا ہے اور خارجی عوامل کی بنیاد پر اس کا حکم مختلف ہوجاتا ہے۔

شرعی اصطلاح کا حکم

جس طرح دیگر تمام علوم وفنون کا یہ ضابطہ ہے کہ اصطلاحی الفاظ سے اصطلاحی معانی ہی مراد ہوں گے، ایسے الفاظ کو محض عام لغوی معنی پر حمل کرنا درست نہیں ہے، بلکہ متعلقہ علم وفن کی سراسر خلاف ورزی ہے، یوں ہی شرعی اصطلاحات کا بھی یہی حال ہے، لہٰذا قرآن وحدیث میں اگر ایسے الفاظ ذکر ہوں تو ان سے اصطلاحی مفہوم مراد لینا ہی ضروری ہے، ان کو محض عام متبادر لغوی معنی پر حمل کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے۔ عام علوم وفنون کی بنسبت شرعیات میں اس کا زیادہ اہتمام اس لیے بھی ضروری ہے کہ ان کے ساتھ دینی احکام، فضائل یا وعیدات وغیرہ متعلق ہوتے ہیں، غلط مفہوم مراد لینے کی صورت میں دینی احکام وفضائل میں غلطی لازم آئے گی جس کا مذموم ہونا محتاجِ بیان نہیں ہے۔

غور کیا جائے تو واضح ہوجاتا ہے کہ یہ دین میں معنوی تحریف کے مترادف ہے کہ شریعت نے اصطلاحی مفہوم کے متعلق کوئی حکم بتایا ہے اور سننے والا اس کو لغوی مفہوم پر چسپاں کررہا ہے، یا دینی لحاظ سے وہ فضیلت شرعی اصطلاحی مفہوم کی ہوتی ہے اور سننے والا اس کو خواہ مخواہ لغوی معنی پر حمل کرتا ہے جس کے بہت سے افراد ایسے ہیں جو شرعی اصطلاح کے تحت داخل نہیں ہوتے۔ اب ایسا اقدام کرنے والا نص کا انکار تو نہیں کرتا، لیکن اس کا جو معنی ومفہوم یا عملی میدان کار ودائرہ کار شریعت نے طے کر رکھا ہے، اس کو تسلیم نہیں کرتا، بلکہ اس میں اپنی طرف سے بے ضابطہ تصرف کرتا ہے، گویا نص کا مدلول اپنی طرف سے تلاش کرتا ہے، تحریف معنوی کی صورت بھی یہی ہوتی ہے۔ (الفصول في الأصول، باب في معنى المجمل، فصل المجمل على وجهين، ج:۱، ص:۶۸)

علامہ جصاص رازی رحمہ اللہ نے اس کو اگرچہ مجمل کہا ہے، چنانچہ امام کرخیؒ کا قول نقل کرنے کے بعد اپنا یہی موقف ذکر کیا ہے کہ میرے نزدیک یہ مجمل ہے اور اس عبارت سے پہلے اسی علت کی بنیاد

پر لفظ ’’صلاۃ‘‘ کو مجمل قرار دیا ہے کہ وہ لغت کے لحاظ سے جس معنی میں استعمال ہوتا تھا، شریعت نے اس لفظ کو اس معنی میں استعمال نہیں کیا، فرماتے ہیں:

’’وَالصَّلَاۃُ الدُّعَاءُ فِي اللُّغَةِ، وَقَالَ اللهُ تَعَالٰی: ’’یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا‘‘ وَقَدْ أُرِیْدَ بِهٰذِهِ الْأَسْمَاءِ مَعَانٍ لَمْ یَكُنِ الِاسْمُ مَوْضُوْعًا (لَهَا) فِي اللُّغَةِ، فَمَتٰی وَرَدَ شَيْءٌ مِنْ هٰذِهِ الْأَلْفَاظِ مُطْلَقًا وَلَمْ یَكُنِ الْمُرَادُ بِهَا إِشَارَةً إِلَی مَعْهُوْدٍ فَهُوَ مُجْمَلٌ مُحْتَاجٌ إِلَی الْبَیَانِ.‘‘

لیکن یہ تفصیل اس بات کے خلاف نہیں ہے کہ اس کو شرعی اصطلاح قرار دیا جائے، بلکہ انجام کار دونوں کا حاصل ایک ہی نکلتا ہے، چنانچہ اس کو شرعی اصطلاح قرار دیا جائے اور یا مجمل، دونوں صورتوں میں لغوی معنی پر حمل کرنا درست نہیں ہے اور شرعی نصوص کی روشنی میں ہی اس کی مراد و مقصود متعین کیا جاسکتا ہے۔ (التقریر والتحبیر،المقام الأول في بیان معنی اللغة، أقسام المفرد والمرکب، الفصل الخامس في المفرد باعتبار استعماله، مسألة الأسماء المستعملة لأهل الشرع من نحو الصلاة والزكاة، ج:۲، ص:۱۰)

امام باقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس موقف کی دلیل کیا ہے؟ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر گفتگو کرتے ہوئے ان کے دو دلائل ذکر فرمائے ہیں:

’’الف: قرآن عربی زبان میں ہے اور اسی زبان میں اس کا نزول ہوا ہے، لہٰذا نصوص کا جو معنی عربی لغت میں معروف و متبادر نہ ہو، وہ مراد لینا درست نہیں ہے۔

ب: اگر شریعت نے کسی لفظ یا چند الفاظ کو واقعۃً لغوی معنی سے پھیر کر کسی دوسرے معنی میں استعمال کیا ہے جس کو شرعی اصطلاح کا عنوان دیا جاتا ہے تو اس صورت میں تمام مکلف انسانوں کو اس کی خبر دینا ضروری تھا، تاکہ وہ نص کے سمجھنے اور پھر اس پر عمل پیرا ہونے میں کسی غلط فہمی کے شکار نہ ہوں، حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے نصوص موجود نہیں ہیں، لہٰذا یہ دعویٰ ہی بے بنیاد ہے۔‘‘

امام باقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے ان استدلالات پر امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مفید اصولی کتاب ’’المستصفی‘‘ میں سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے، تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: المستصفی، القطب الثالث في كیفیة استثمار الأحكام من مثمرات الأصول، المقدمة وتشتمل علی سبعة فصول، الفصل الرابع في الأسماء الشرعیة، ص:۱۸۲

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

کاروباری دنیا میں جھگڑوں کے بنیادی اسباب اوراُن کا حل

مولانا سیدانورشاہ
جامعہ بیت السلام،کراچی

ہمارے سماج میں آپس کی رنجشوں،نفرتوں،جھگڑوں اور تنازعات کا جو سلسلہ چل رہا ہے، ان کی تہہ میں اگر دیکھا جائے،تو ان کے اسباب میں سے ایک بنیادی سبب کاروباری معاملات کو صاف اور واضح نہ رکھنا ہے، چنانچہ روپیہ، پیسہ، زمین و جائداد اور دیگر مالی معاملات کو صاف نہ رکھنے کی وجہ سے بعض اوقات جو جھگڑے اور عداوت پیدا ہوتی ہے، وہ کئی پشتوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے، اور پرانے تعلقات کو دیکھتے ہی دیکھتے بھسم کرڈالتی ہے،اوراس کی وجہ سے بڑی مثالی دوستیاں آن کی آن میں دشمنیوں میں تبدیل ہوجاتی ہیں۔ وجہ وہی زر،زمین اور بزنس کے معاملات کا ابہام اور واضح نہ ہونا ہوتا ہے، حالانکہ اسلام نے معاملات کی صفائی کی طرف خاص توجہ دلائی ہے کہ جو بھی معاملہ کیا جائے، خواہ وہ قریب ترین رشتہ دار، بھائیوں کے درمیان ہو، باپ بیٹے کے درمیان ہو،شوہر اور بیوی کے درمیان ہو،غرض کسی بھی شخص اور فرد کے ساتھ جو بھی معاملہ ہو، وہ بالکل واضح اور بے غبار ہونا چاہیے۔ اس میں ایسا ابہام نہیں ہونا چاہیے جو آئندہ کسی تنازع اور جھگڑے کا باعث ہو،اسی لیے خرید وفروخت کی ایسی تمام صورتوں کو منع کیا گیا ہے جس میں فروخت کی جانے والی چیز، ادا کی جانے والی قیمت، سامان کی سپردگی کے مقام اور اُدھار کی صورت میں قیمت یا ادائیگی کا وقت مبہم ہو،تجارت کے بہت سے احکام اسی اصول پر مبنی ہیں، اس لیے شرعی نقطۂ نظر سے جو معاملات کسی بھی پہلو سے ابہام کی وجہ سے آئندہ کسی نزاع کا سبب بن سکتے ہیں وہ درست نہیں ہوں گے۔

آپس میں بھائیوں کی طرح رہو،مگر معاملات اجنبیوں کی طرح کرو

معاملات کے باب میں اہلِ علم حضرات لکھتے ہیں: ’’آپس میں بھائیوں کی طرح رہو، لیکن لین دین کے معاملات اجنبیوں کی طرح کرو۔‘‘ (التمثيل والمحاضرة للثعالبي) مطلب یہ ہے کہ روزمرہ کی زندگی میں ایک دوسرے کے ساتھ ایسا برتاؤ اور حسنِ سلوک کرو، جیسے ایک مخلص بھائی کو دوسرے بھائی کے ساتھ کرنا

چاہیے، جس میں ایثار، محبت، شفقت، مروت، رواداری، تحمل اور انسانیت کا جذبہ ہو، لیکن جب روپے پیسے اور تجارت ونفع کے لین دین، جائداد کے معاملات اور شرکت وحصہ داری کا معاملہ آجائے، تو اچھے تعلقات کی حالت میں بھی انہیں اس طرح انجام دو، جیسے دو اجنبی افراد انہیں انجام دیتے ہیں کہ معاملہ کا ہر پہلو اور بات صاف اور واضح ہو، نہ کوئی پہلو مبہم رہے، اور نہ معاملہ کی حقیقت میں کوئی اشتباہ باقی رہے۔

اگر محبت، اتفاق اور خوشگوار تعلقات کی حالت میں اس اصول پر عمل کرلیا جائے، تو بعد میں پیدا ہونے والے بہت سے فتنوں اور جھگڑوں کا سدِ باب ہوجاتا ہے، لیکن افسوس ناک صورت یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں اس اصول کو یکسر نظر انداز کیا جاتا ہے، جس کی ایک واضح صورت ہمارے معاشرے میں یہ ہے:

کاروبار میں والد کے ساتھ اولاد کی شرکت

ہمارے ہاں تجارت وکاروبار میں عام طور پر یوں ہوتا ہے کہ ایک شخص نے کاروبار شروع کیا، اس وقت اس کے بچے چھوٹے تھے، رفتہ رفتہ کاروبار بھی بڑھا اور بچے بھی بڑے ہوکر اپنے والد کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں، ان کے کاروبار میں پورے طور پر معاونت کرتے ہیں، اس کاروبار کو اپنا کاروبار تصور کرتے ہیں اور حسبِ استطاعت اس کو ترقی دینے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں، والد اُن کی جملہ ضروریات کی مکمل کفالت کرتا ہے اور جب تک حالات خوشگوار رہتے ہیں، ان کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ یہ مشترکہ نظام برقرار رہے، لیکن جب والد کی زندگی میں یا ان کے انتقال کے بعد اس کاروبار کی تقسیم کا مسئلہ سامنے آتا ہے، تو بڑے لڑکوں کو یہ احساس ہوتا ہے کہ کاروبار میں چھوٹے بھائیوں کی بنسبت ان کا تعاون زیادہ رہا ہے، اس لیے اسی تناسب سے انہیں زیادہ حصہ ملنا چاہیے، پھر جب تمام بھائیوں کے درمیان کاروبار کی مساوی طور پر تقسیم کی بات ہوتی ہے تو ان کے احساس کو ٹھیس پہنچتی ہے، اور وہ اس میں اپنی حق تلفی محسوس کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں بھائیوں کے درمیان فاصلے بڑھنے لگتے ہیں، یوں قریبی رشتہ داروں کے درمیان نفرت کی دیوار قائم ہوتی ہے اور بات مقدمہ بازی اور خون بہانے تک پہنچ جاتی ہے، اس لیے ہونا یہ چاہیے کہ اگر کسی کاروبار میں والد کے ساتھ ان کے بچے بھی شریک ہوں، تو جس وقت وہ شریک ہوں اسی وقت یہ طے ہونا چاہیے کہ اس کاروبار میں ان کی شرکت کس حیثیت سے ہے؟ کیا وہ اس میں پارٹنر ہیں؟ یا ان کی حیثیت ملازم کی ہے؟ یا وہ محض اپنے والد کے معاون ومددگار ہیں؟ لیکن جس وقت لڑکے والد کی خواہش پر کاروبار میں عملی طور پر شریک ہوجاتے ہیں، تو اس وقت معاملہ کو واضح کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی، چنانچہ ہر شخص اپنی خواہش یا ضرورت کے مطابق کاروبار کی آمدنی استعمال کرتا رہتا ہے۔ اگر کسی وقت کوئی شخص یہ تجویز پیش کرے کہ کاروبار میں حصہ یا تنخواہ وغیرہ متعین کرلینی چاہیے، تو اسے محبت، اتفاق اور غیرت کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ

ہے کہ اس طرح کے کاروبار کا انجام اکثر و بیشتر یہ ہوتا ہے کہ دل ہی دل میں ایک دوسرے کے خلاف نفرتیں اور رنجشیں پرورش پاتی رہتی ہیں، خاص کر جب تقسیم کا مرحلہ آتا ہے، تو ہر شخص یہ سمجھتا ہے کہ میرے ساتھ ظلم ہوا ہے۔ دوسرے نے کاروبار سے زیادہ فائدہ اُٹھایا ہے۔ اندر ہی اندر ان رنجشوں کا لاوا پکتا رہتا ہے اور بالآخر جب رنجشیں بدگمانیوں کے ساتھ مل کر پہاڑ بن جاتی ہیں تو یہ آتش فشاں پھٹ پڑتا ہے۔ محبت واتفاق کے سارے دعوے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ زبانی تو تکار سے لے کر لڑائی، جھگڑے اور مقدمہ بازی تک کسی کام سے دریغ نہیں ہوتا۔ بھائی بھائی کی بول چال بند ہو جاتی ہے، ایک بھائی دوسرے کی صورت دیکھنے کا روادار نہیں رہتا، جس کے قابو میں کاروبار کا جتنا حصہ آتا ہے وہ اس پر قابض ہو کر عدل وانصاف کا جنازہ نکال لیتا ہے۔ اپنی نجی مجلسوں میں ایک دوسرے کے خلاف الزامات، بدزبانی اور بدگمانی جیسے خطرناک گناہوں کا سلسلہ چل رہا ہوتا ہے۔ چونکہ سالہا سال مشترکہ کاروبار کا نہ کوئی اصول طے تھا اور نہ حساب وکتاب کا خیال رکھا گیا ہوتا ہے، اس لیے بسا اوقات اختلاف کو ختم کرنے کے لیے افہام وتفہیم کی بھی کوشش کی جائے تو بھی مصالحت کا کوئی ایسا فارمولا وضع کرنا انتہائی دشوار ہو جاتا ہے جو تمام متعلقہ فریقوں کے لیے قابلِ قبول ہو۔

معاملہ کرتے وقت کن پہلوؤں کو واضح کرنا ضروری ہے؟

یہ سارا فتنہ وفساد اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ کاروبار کے آغاز میں معاملہ صاف اور واضح نہیں رکھا تھا۔ اگر شروع ہی میں یہ بات واضح کی جائے کہ کس کی کیا حیثیت ہے؟ آیا وہ ملازمت کے طور پر کام کر رہا ہے؟ یا شرکت اور تعاون کے طور پر؟ تو بعد میں پیش آنے والی پیچیدگیوں اور جھگڑوں کا سدِ باب ہو جائے، لہٰذا اگر کسی کاروبار میں ایک سے زیادہ افراد کام کر رہے ہیں، تو پہلے ہی مرحلے میں ان میں سے ہر شخص کی حیثیت کا تعین ضروری ہے کہ وہ تنخواہ پر کام کرے گا؟ یا کاروبار میں باقاعدہ حصہ دار ہوگا؟ یا محض اپنے والد کی معاونت کرے گا؟ پہلی صورت میں اس کی تنخواہ متعین ہونی چاہیے، نیز یہ وضاحت بھی کر لی جائے کہ وہ کاروبار کا حصہ دار نہیں ہوگا۔ دوسری صورت میں اگر اسے ملکیت میں باقاعدہ حصہ دار بنانا ہے تو اس کے لیے شرعاً یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی طرف سے کاروبار میں کچھ سرمایہ شامل ہونا چاہیے (جس کی صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ باپ اسے کچھ نقد رقم ہبہ کر دے اور وہ اس رقم سے کاروبار کا فیصد کے اعتبار سے ایک متعین حصہ خرید لے اور فیصد کے اعتبار سے نفع کی تعیین بھی کر لے۔ یہ تمام تفصیلات تحریری طور پر ایک معاہدہ کی شکل میں محفوظ کر لینی چاہیے، تاکہ بعد میں کوئی اُلجھن پیدا نہ ہو۔

اگر کسی ایک حصہ دار کو کاروبار میں وقت اور کام زیادہ کرنا پڑتا ہو، تو یہ بات بھی طے کر لینی چاہیے کہ زیادہ کام وہ رضاکارانہ طور پر کرے گا؟ یا اس کا کوئی معاوضہ اسے دیا جائے گا؟ اگر کوئی معاوضہ دیا جائے گا تو وہ

نفع کے فیصد حصے میں اضافہ کرکے دیا جائے گا، یا الگ سے متعین تنخواہ کی صورت میں؟ غرض ہر فریق کے تمام امور وحقوق اتنے واضح ہوں کہ ان میں کوئی ابہام واشتباہ باقی نہ رہے۔

معاملات کی صفائی کو محبت، اتفاق اور غیرت کے خلاف سمجھنا دھوکا ہے

اگر بالفرض کسی کاروبار میں اب تک ان باتوں پر عمل نہ کیا گیا ہو، تو جتنی جلدی ہو سکے ان امور کو واضح طور پر طے کرلیا جائے۔ اس میں کسی شرم، مروت اور طعن وتشنیع کو آڑے نہ آنے دینا چاہیے۔ معاملات کے متعلق اس صفائی اور وضاحت کو محبت، اخوت، احترام اور اتحاد واتفاق کے خلاف سمجھنا بہت بڑا دھوکہ ہے، ورنہ آگے چل کر یہ محبت واتحاد عداوت میں تبدیل ہوسکتی ہے۔

والد کے کاروبار میں شرکت کے متعلق اہم مسائل

آج کل دارالافتاؤں میں اس طرح کے مسائل کثرت سے آتے ہیں، خاص کر جب میراث کی تقسیم کا مرحلہ سامنے آتا ہے، تو اس وقت اس طرح کے تنازعات کثرت سے پیش آتے ہیں، چوں کہ میرا تعلق بھی دارالافتاء سے ہے اور فتوی کے کام سے منسلک ہوں، اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ شرعی نقطۂ نظر سے ان مسائل کو تفصیل سے لکھ دوں، تاکہ ان مسائل سے آگاہ ہوکر ہم سب اس پر عمل پیرا ہوسکیں، چنانچہ اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ شریعت کا اصل حکم تو وہی ہے کہ کاروبار کے شروع ہی میں ہر ایک کی حیثیت کا تعین کرلینا چاہیے اور معاملہ ہر پہلو سے واضح کردینا چاہیے۔

کاروبار میں شریک اولاد باپ کے زیرِ کفالت ہو

تاہم اگر معاملہ کو ابتدا میں ویسی ہی چھوڑ دیا تھا، کسی چیز کی وضاحت نہیں ہوئی تھی، تو اس پس منظر میں پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر والد نے اپنے سرمائے سے کاروبار شروع کیا، بعد میں اس کے لڑکوں میں سے بعض والد کی خواہش پر کاروبار میں شریک ہوگئے، مگر انہوں نے الگ سے اپنا کوئی سرمایہ نہیں لگایا اور والد نے بھی ایسے لڑکوں کی کوئی حیثیت متعین نہ کی ہو، تو اگر یہ لڑکے والد کے زیرِ کفالت ہوں، تو اس صورت میں لڑکے والد کے معاون شمار کیے جائیں گے، اور ان کی طرف سے یہ عمل تبرُّع شمار کیا جائے گا۔ ان کی حیثیت پارٹنر یا ملازم کی نہیں ہوگی، ہمارے ہاں عرف بھی یہی ہے کہ اس طرح کاروبار کی کل آمدنی باپ کی ملکیت شمار ہوتی ہے اور اولاد محض معاون ومددگار ہوتی ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں کاروبار کی کل آمدنی باپ کی ملکیت ہوگی، اور اس کے انتقال کے بعد معاونت کرنے والے لڑکوں کو الگ سے کچھ نہیں ملے گا، بلکہ دوسرے بیٹوں کے ساتھ ان کو میراث میں مساوی طور پر حصہ ملے گا، (یعنی سب لڑکوں کو برابر حصہ ملے گا)۔

بزنس میں شریک بعض بیٹے زیرِ کفالت نہ ہوں

اگر بیٹے باپ کی کفالت میں نہ ہوں، یعنی باپ ان کی جملہ ضروریات کے اخراجات برداشت نہ کرتا ہو، تو ایسی صورت میں اگر متعین اجرت سے کام کرنا طے ہوا ہو تو لڑکے اسی اجرت کے حقدار ہوں گے، تاہم اگر اس صورت میں اجرت طے نہ ہوئی ہو تو جہالت کی وجہ سے یہ اجارہ فاسدہ ہوگا، جس کا حکم یہ ہے کہ کل سرمایہ بمع نفع باپ کا ہوگا اور بیٹے اجرتِ مثل کے مستحق ہوں گے۔ خیال رہے کہ ان دو صورتوں میں اولاد کی حیثیت ملازم کی ہوگی، اور اگر اُجرت کے متعلق بالکل بھی وضاحت نہ ہوئی ہو تو ایسے میں بیٹوں کا یہ عمل تبرع اور احسان کے زمرے میں آئے گا اور وہ اجرت کے حقدار نہیں ہوں گے، کیوں کہ اُجرت کا استحقاق عقدِ اجارہ سے ثابت ہوتا ہے، جبکہ یہاں کوئی عقد نہیں ہوا ہے، لہٰذا اس صورت میں بیٹوں کی حیثیت محض معاون اور متبرع کی ہوگی، کل مال باپ کی ملکیت شمار ہوگی۔ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

’’الأب وابنهٗ يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيء فالكسب كلهٗ للأب إن كان الابن في عياله لكونه معينا لهٗ، ألا ترى لو غرس شجرة تكون للأب.‘‘ (ردالمحتار، فصل فی الشرکۃ، مطلب: اجتمعا فی دار واحدۃ واکتسبا ولایعلم التفاوت: ۶/ ۴۹۷)

اولاد نے مشترکہ کاروبار میں کچھ سرمایہ بھی لگایا ہو

اگر یہی صورت ہو، لیکن بیٹوں نے کاروبار میں شریک ہوتے وقت اپنا کچھ سرمایہ بھی والد کی اجازت سے کاروبار میں لگایا ہو، تو اس صورت میں اگر شرکت کی غرض سے سرمایہ لگایا گیا ہو، تو بیٹوں کی حیثیت شریک اور پارٹنر کی ہوگی اور بیٹے اپنے سرمائے کے تناسب سے کاروبار اور اس کے منافع میں شریک ہوں گے۔ اگر سرمایہ قرض کہہ کر دیا ہے تو قرض شمار ہوگا، البتہ اگر زبانی طور پر شرکت یا قرض وغیرہ کی کوئی صراحت نہیں، مگر لڑکے کا مقصود سرمایہ لگانے سے والد کی اعانت اور اس کے ساتھ حسنِ سلوک ہے تو پھر یہ اس کی طرف سے تبرُّع ہے، کل کاروبار والد کا شمار ہوگا۔ تاہم اگر مذکورہ صورتوں میں سے کوئی بھی صورت نہیں ہے، یعنی نہ کوئی صراحت ہے اور نہ ہی مقصد اعانت ہے تو پھر حسبِ عرف فیصلہ کیا جائے:

’’فإذا خلطا المالين على وجه لا يمكن تمييز أحدهما عن الآخر؛ فقد ثبتت الشركة في الملك؛ فينبني عليه شركة العقد.‘‘ (المبسوط، کتاب الشرکۃ: ۱۱/ ۱۵۲)

’’يقع كثيرا في الفلاحين ونحوهم أن أحدهم يموت فتقوم أولادهٗ على تركته بلا قسمة و يعملون فيها من حرث وزراعة و بيع وشراء واستدانة ونحو ذٰلك، وتارة يكون كبيرهم هو الذي يتولى مهماتهم و يعملون عندهٗ بأمره وكل ذٰلك على وجه

الإطلاق والتفويض، لكن بلا تصريح بلفظ المفاوضة ولابيان جميع مقتضياتها مع كون التركة أغلبها أو كلها عروض لا تصح فيها شركة العقد، ولا شك أن هٰذه ليست شركة مفاوضة، خلافا لما أفتي بهٖ في زماننا من لا خبرة لهٗ، بل هي شركة ملك كما حررتهٗ في تنقيح الحامدية.

ثم رأيت التصريح بهٖ بعينهٖ في فتاوى الحانوتي، فإذا كان سعيهم واحدا ولم يتميز ما حصلهٗ كل واحد منهم بعملهٖ يكون ما جمعوه مشتركا بينهم بالسوية وإن اختلفوا في العمل والرأي كثرة وصوابا كما أفتي بهٖ في الخيرية.''

(رد المحتار: ٤٧٢/ ٦، كتاب الشركة، مطلب : فيما يقع كثيرا فى الفلاحين)

''وأما حكم القرض فهو ثبوت الملك للمستقرض في المقرض للحال، وثبوت مثلهٖ في ذمة المستقرض للمقرض للحال، وهٰذا جواب ظاهر الرواية.''

(البدائع، فصل في حكم القرض: ٣٩٦/ ٧)

مشترک فیملی میں بعض بھائیوں نے کسبِ معاش کے دوسرے ذرائع اختیار کیے اور بعض نے والد کا ہاتھ بٹایا

۲- دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک بھائی یا کچھ بھائیوں نے کاروبار میں والد کا ہاتھ بٹایا ہے، جبکہ دوسرے دیگر بھائیوں نے کسبِ معاش کے دوسرے ذرائع اختیار کیے ہیں اور آپس میں ابھی تک تقسیم نہیں ہوئی ہے، اس صورت میں اگر سب کا کھانا پینا ایک ساتھ ہو اور تمام بھائی کمائی والد کے پاس جمع کرتے ہوں تو کل مال باپ کی ملکیت شمار ہوگا۔ والد کے انتقال کے بعد تمام لڑکے اس مال کے حق دار ہوں گے۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر بیٹے باپ کے عیال میں ہیں اور آپس میں تقسیم نہیں ہوئی ہے، تو خواہ سب ایک ہی کاروبار میں مشغول ہوں یا مختلف قسم کے کاروبار میں مشغول ہوں، یعنی ایک کا کاروبار دوسرے کے کاروبار سے مختلف ہو، مثلاً: ایک سبزی کے کاروبار میں لگا ہو اور دوسرا مارکیٹ میں فرنیچر کے کاروبار میں مشغول ہو، بہرصورت تمام مال کا مالک باپ ہوگا، اس لیے کہ ہمارے عرف میں سب بھائیوں کو ایک مشترک فیملی کا فرد سمجھا جاتا ہے، ان کو علیحدہ تصور نہیں کیا جاتا۔ رہیں فقہاء کرامؒ کی وہ عبارتیں جن میں لڑکے کے معاون ہونے کے لیے اتحادِ صنعت کی صراحت ہے، تو اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ بظاہر اتحادِ صنعت کی وضاحت فقہائے کرام نے اپنے زمانے کے عرف کے اعتبار سے کی ہے، لہٰذا وہ اپنے زمانے کے عرف پر مبنی ہیں۔

آج کل صورت حال یہ ہے کہ بعض اوقات اولاد کو دوسرے ذرائعِ معاش اختیار کرنے کا مشورہ

باپ دیتا ہے، اس سلسلے میں وہ اپنا مالی تعاون بھی کرتا ہے اور اپنے اثر ورسوخ کا استعمال بھی، اس کے نفع و نقصان کی فکر بھی کرتا ہے، اور سمجھتا ہے کہ میرے مختلف بیٹے مختلف ذرائع سے میرے معاون ہیں، بلکہ بسا اوقات معاشی پریشانی کی وجہ سے باپ اپنے بعض لڑکوں کو دوسرے ملک بھیجتے ہیں، اور اس کے لیے لمبا چوڑا خرچہ برداشت کرتا ہے، اس کی ذمہ داری قبول کرلیتا ہے، کھانا سب مشترک ہی رہتا ہے، ایسی صورت میں لڑکوں کی دوسرے ممالک کی کمائی پوری باپ کی ملک ہوگی، ایسے لڑکے باپ کے معاون شمار ہوں گے، وہ اپنی کمائی کے تنہا مالک نہ ہوں گے، البتہ اس صورت میں اگر کوئی لڑکا اپنا کھانا پینا الگ کردے اور باقاعدہ الگ ہونے کا والد سے اظہار کردے، تو اس کے بعد وہ الگ شمار ہوگا اور اپنی کمائی کا وہ خود مالک ہوگا، لہٰذا آج کل کے عرف میں لڑکے کے معاون ہونے کے لیے اتحادِ صنعت کی شرط قابلِ نظر ہے۔

الگ ذرائع معاش اختیار کرنے والوں کی کمائی کا حکم

اگر الگ ذرائع معاش اختیار کرنے والے بھائیوں کا رہنا سہنا اور کھانا پینا الگ ہو اور انہوں نے اپنا سرمایہ علاحدہ جمع کر رکھا ہو تو پھر وہ کمائی ان کی ذاتی ملکیت ہوگی، دوسرے بھائی اس میں شریک نہ ہوں گے:

’’زوج بنيه الخمسة في داره و كلهم في عياله واختلفوا في المتاع فهو للأب ، و للبنين الثياب التي عليهم لا غير .‘‘ (رد المحتار، فصل فى الشركة الفاسدة:٣٩٢/ ٤)

’’الأب وابنهٗ يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيء فالكسب كلهٗ للأب إن كان الابن في عياله لكونه معينا لهٗ، ألا ترى لو غرس شجرة تكون للأب .‘‘

(رد المحتار، فصل فى الشركة، مطلب: اجتمعا فى دار واحد واكتسبا ولا يعلم التفاوت:٤٩٧/ ٦)

’’أب وابن يكتسبان فى صنعة واحدة ولم يكن لهما شيئ فالكسب كلهٗ للأب إن كان الابن فى عياله لكونه معينا له، ألا ترى أنهٗ لو غرس شجرة تكون للأب.‘‘

(الهندية،الباب الرابع: في شركة الوجوه وشركة الأعمال: ٣٣٢/ ٢، مكتبة دار الفكر)

’’فإذا كان الأب مزارعا والابن صانع أحذية فكسب الأب من الزراعة والابن من صناعة الحذاء ، فكسب كل واحد منهما لنفسه و ليس للأب المداخلة في كسب ابنه لكونه في عياله .‘‘ (درر الحكام، ٤٤٥/ ٣، مادة:١٣٩٨)

کاروبار ختم ہونے کے بعد اولاد میں سے کسی نے اپنے سرمایہ سے دوبارہ کاروبار شروع کیا

اس سلسلے میں ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ اگر کسی وجہ سے والد کا کاروبار ختم ہوگیا، لیکن کاروبار کی جگہ خواہ مملوکہ ہو یا کرایہ پر حاصل کی گئی ہو، موجود ہو، اولاد میں سے کسی نے اپنا سرمایہ لگا کر اسی نام سے دوبارہ

کاروبار شروع کیا، اس صورت میں جس لڑکے نے سرمایہ لگا کر کاروبار شروع کیا ہے، یہ کاروبار اسی کی ملکیت شمار ہوگی، والد اور دیگر بھائیوں کی ملکیت شمار نہیں ہوگی، البتہ وہ مملوکہ جگہ والد کی ہوگی۔ یا اگر دوکان کرایہ پر تھی اور اس سلسلے میں کچھ رقم پیشگی والد کو ادا کر دی تھی تو وہ رقم بھی والد کی ملکیت شمار ہوگی، اور تمام بھائی والد کے بعد اس میں شریک ہوں گے:

''عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ''الخراج بالضمان.'' (سنن أبي داؤد: باب فيمن اشترى عبدا فاستعمله:٣٦٨/ ٥)

''لا يستحق الربح إلا بإحدى ثلاث: بمال، أو عمل، أو تقبل.''

(الدر المختار مطلب شركة الوجوه:٣٢٤/ ٤)

''اعلم أن أسباب الملك ثلاثة: ناقل كبيع وهبة وخلافة كإرث وأصالة، وهو الاستيلاء حقيقة بوضع اليد أو حكما بالتهيئة كنصب الصيد لا لجفاف على المباح الخالي عن مالك.'' (الدر المختار :كتاب الصيد: ٤٦٣/ ٦)

''وما اشتراه أحدهم لنفسه يكون لهٗ و يضمن حصة شركائه من ثمنه إذا دفعهٗ من المال المشترك.'' (رد المحتار،كتاب الشركة: ٣٠٧/ ٤)

ائمہ، خطباء اور علماء کرام سے گزارش

ائمہ، خطباء اور علماء کرام سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ اپنے اپنے علاقوں اور حلقوں میں معاملات کی صفائی کے سلسلے میں لوگوں کی ذہن سازی کریں۔ شرکت اور میراث کے متعلق جو شرعی احکام ہیں، ان سے ان کو آگاہ کریں۔ خاص طور پر والدین، اولاد اور بھائیوں کے درمیان کاروبار اور شرکت کے بنیادی مسائل سے واقف کرائیں۔

..... ❀ ..... ❀ ..... ❀ .....

اہلِ مدارس کے لیے لمحہ فکریہ

ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی
لیکچرر کمپیوٹر سائنس ڈیپارٹمنٹ، (سی آئی ٹی) آئرلینڈ

(پہلی قسط)

مدارسِ دینیہ علوم ومعارف کے اِیستادَہ مینار ہیں، تقویٰ کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں اور یہیں سے امتِ مسلمہ کو قران وسنت کی صحیح تشریح ملتی ہے۔ مدارس سے فارغ علمائے کرام اور مفتیانِ کرام، امت کو فکری ونظریاتی رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ انہی مدارس سے امت کو وہ رجال اللہ ملتے ہیں جو کہ مختلف محاذوں پر کام کرتے ہیں، تاکہ امت کی بنیادی دینی ضروریات پوری ہوں۔ نیز یہ علمائے کرام سیاسی، سماجی، ومعاشرتی میدان میں بھی اپنی خدمات پیش کرتے ہیں۔ ان مدارس سے حفاظِ کرام، شیخ الحدیث، قاری، مفتی، عالم، فقیہ، مفسر، مبلغ، مناظر، عربی علوم کے ماہر، مصنف، اور دینی علوم کو اپنی اصلی حالت میں اگلی نسل تک پہنچانے والے رجال اللہ پیدا ہوتے ہیں۔ انہی مدارس سے ہمیں عربی اور اردو ادب کو فروغ دینے والے بےنظیر علمائے کرام بھی نظر آتے ہیں، انہی میں تاریخ دان بھی ہیں اور صرف ونحو کے ماہر بھی اور انہی مدارس سے وہ علمائے کرام بھی تیار ہوتے ہیں جو کہ ہر محاذ پر باطل قوتوں کا مقابلہ کرتے ہیں اور اُمتِ مسلمہ کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت میں بھی کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔

جب ہم ان مدارس کا تقابل عصری تعلیمی اداروں یعنی کالج و یونیورسٹیوں سے کرتے ہیں تو جو بنیادی خصوصیات ہمیں ان مدارس میں نظر آتی ہیں وہ تقویٰ، اخلاص اور للّٰہیت ہے۔ ان خصوصیات کا حصول طلبائے کرام مدارس کے مُتّقِیانَہ ماحول میں کئی سال گزارنے کے بعد حاصل کرتے ہیں، حتیٰ کہ مدارس میں مطبخ میں بھی متقی لوگوں کو کھانا پکانے کی ذمہ داریاں تفویض کی جاتی ہیں، تاکہ طلبائے کرام کو جو کھانا ملے ان میں اُن کے ذکر کے انوارات بھی شامل ہوں۔ بعض مدارس میں کھانا بناتے وقت قرآن پاک کی تلاوت کی جاتی ہے، تاکہ کھانا بھی نور بن کر اُن طلبائے کرام کو مزید تقویت دے اور روحانی ترقی کا ذریعہ بنے۔ بعض فاضل علمائے کرام مشائخ کے ساتھ صحبت اختیار کرتے ہیں اور سلوک واحسان کے درجات طے کرتے ہیں اور مشائخ سے فیض حاصل کرنے کے بعد امت کی باطنی اصلاح میں مصروفِ عمل ہوجاتے ہیں۔ بعض علمائے

کرام دعوت وتبلیغ کی محنت میں جڑ کر اپنی زندگی دین کی محنت میں صرف کر دیتے ہیں۔ بعض علمائے کرام دینی تعلیم کو فروغ دینے کے لیے درس وتدریس اور افتاء کے شعبوں سے منسلک ہوجاتے ہیں۔ بعض اعلائے کلمۃ اللہ اور احیائے سنت کے لیے اپنی زندگیاں کھپا دیتے ہیں۔ غرض یہ تقویٰ، اخلاص، للّٰہیت اور تربیتِ ظاہر و باطن ہی ہے جو کہ ان مدارسِ دینیہ کا خاصہ ہے۔ اب اگر یہ اخلاص، تقویٰ اور للّٰہیت مدارسِ دینیہ سے عنقاء کر دی جائے تو عصری علوم کے اداروں سے فراغت حاصل کرنے والوں اور مدارسِ دینیہ سے فارغ علمائے کرام میں کیا فرق رہ جائے گا؟ اور کس طریقے سے ان دینی مدارس سے فارغ علمائے کرام معاشرے میں سدھار پیدا کرسکیں گے؟ اور پھر کس طریقے سے ان دینی مدارس سے فارغ علمائے کرام اسلام اور ملک و ملت کو اپنے ذاتی مفادات پر ترجیح دیں گے؟ نیز پھر ان مدارس سے فارغ ہونے والوں میں اور مغربی ممالک کے لادینی عصری اداروں سے دینی اسلامی تعلیم حاصل کرنے والوں میں کیا فرق رہ جائے گا؟

غرض یہ مدارسِ دینیہ ہی ہیں جو کہ دین کو اپنی اصل شکل میں قائم رکھنے میں معاون و مددگار رہیں۔ مسلمانوں کو کمزور اور ختم کرنے کے لیے باطل کی چالوں میں سے ایک چال یہ ہے کہ کسی طریقے سے مدارسِ دینیہ کو کمزور اور ختم کر دیا جائے۔ باطل قوتوں کا زور اس بات پر ہے کہ مدارسِ دینیہ خدانخواستہ کچھ اس شعر کی مصداق ہوجائیں کہ بقول شاعر:

اُٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غمناک نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نگاہ!

راقم کا یہ مضمون مدارس میں ہونے والے ارتقاء سے متعلق ہے جس کو راقم نے اپنے مدارس سے متعلق کئی سال سے زیادہ کے مشاہدات اور تعامُل میں محسوس کیا۔ راقم نے مدارس سے باضابطہ تعلیم تو حاصل نہیں کی ہے، البتہ مدارس، علمائے کرام اور مفتیانِ کرام سے گہرا تعلق اور قلبی لگاؤ ہے۔ اس مضمون میں اربابِ مدارس اور اکابرینِ امت کی خدمت میں راقم بحیثیت کمپیوٹر سائنسدان، جو کہ مدارس کے نظام کو باہر سے دیکھ رہا ہے اور اپنے تأثرات و مشاہدات قلمبند کر رہا ہے، اپنی چند گزارشات بڑے درد دِل سے پیش کر رہا ہے، تاکہ اکابرینِ مدارس، مدارسِ دینیہ کی ظاہری اور باطنی حفاظت کے بارے میں مزید فکر فرمائیں۔ بندہ کو اپنی کم علمی کا احساس ہے اور بندہ سراسر خطاکار ہے، بس اس امید سے یہ کچھ سطور لکھ رہا ہے کہ قارئین لکھنے والے کو نہ دیکھیں گے، بلکہ جن اسلاف کی خوبیوں کا ذکر کیا گیا ہے اُن کو دیکھیں گے اور انہی کا اتباع بھی کریں گے۔ اُمید قوی ہے کہ بندہ کی اس جرأت، جسارت، کمی کوتاہی آداب کو حضرات علمائے کرام اور اکابرین درگزر فرمادیں گے، جزاهم الله خيراً أحسن الجزاء في الدارين۔

تاریخی طور پر مدارسِ دینیہ کو کمزور اور ختم کرنے کی بے شمار کوششیں ہوتی رہی ہیں اور آج بھی ایسی کوششیں جاری ہیں۔ تاہم اگر ہم مدارس کو ختم کرنے کی کوششوں کا جائزہ لیں تو اُن کی دو بنیادی اقسام

ہیں: اول ظاہری کوششیں ہیں اور دوم خفیہ کوششیں ہیں۔

مدارسِ دینیہ کوختم اور کمزور کرنے کی ظاہری کوششیں

مدارسِ دینیہ کوختم اور کمزور کرنے کی جو ظاہری کوششیں ہیں ان میں عالمی اِستِعماری قوتوں کا حکومتِ وقت پر اثر انداز ہوکر ایسی پالیسیاں مرتب کروانا ہوتا رہا ہے جن سے مدارس کو سرے سے ہی ختم کردیا جائے یا کم از کم مدارس اور عوام کے رشتے کو کمزور کیا جائے، مثلاً موجودہ مدارسِ دینیہ کی رجسٹریشن کے عمل کو پیچیدہ بنانا، نئے مدارس بنانے میں قانونی وانتظامی پیچیدگیاں پیدا کرنا، بار بار مدارسِ دینیہ کو مختلف حکومتی محکموں کے زیرِ اثر لانا، مدارس کو مالی امداد ملنے والے ذرائع جن میں زکوٰۃ، صدقات وغیرہ شامل ہیں کو کنٹرول کرنا، عیدالاضحیٰ کے موقع پر جانوروں کی کھالوں کو مدارس تک نہ پہنچنے دینا سے لے کر میڈیا پر مدارس کے خلاف منظم پروپیگنڈہ وغیرہ شامل ہیں۔ ان ساری باطل کی کوششوں کے سدِ باب کے لیے الحمدللہ علمائے کرام کوششیں کرتے آئے ہیں اور اپنی جانوں کی قربانی سے بھی دریغ نہیں کیا۔ اللہ پاک پاکستان بھر کے علمائے کرام کو عمومی طور پر اور خصوصی طور پر وفاق المدارس کے گزشتہ اور موجودہ اکابرین کو جزائے خیر دے کہ ان حضرات کی مدارس کو بچانے کی کوششیں لائقِ تحسین ہیں۔ مدارسِ دینیہ کو ختم اور کمزور کرنے کی ظاہری کوششوں پر دیگر حضرات نے پیشتر گفتگو فرمائی ہے، لہٰذا ہم کوشش کریں گے کہ اس مضمون میں ہم مدارسِ دینیہ کو ختم اور کمزور کرنے کی خفیہ کوششوں پر تھوڑی تفصیل سے بات کریں۔

مدارسِ دینیہ کوختم اور کمزور کرنے کی خفیہ کوششیں

مدارس کو ختم اور کمزور کرنے کی خفیہ کوششوں کا مقصد یہ ہے کہ مدارس کو اس کے اصل مقصد سے ہٹایا جائے، تاکہ وہاں سے تقویٰ، للّٰہیت اور اخلاص کو سرے سے ختم کردیا جائے، یعنی پھر مدارس تو رہیں، درس وتدریس بھی ہو، طلبائے کرام بھی رہیں، مفتیانِ کرام بھی رہیں، ''علماء'' اور ''مفتی'' بھی تیار ہوں، مگر اُن میں سے وہ تقویٰ، اخلاص، للّٰہیت، دینی پختگی اور تصلّب کی بنیادی روح غائب کردی جائے یا کمزور کردی جائے جو کہ مدارس کا خاصہ ہے۔ دیکھیے! مدارسِ دینیہ کے مقاصد و موضوع بالکل واضح ہیں۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے بارہا اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ:

> ''ہماری دینی درس گاہوں کا اصل موضوع علومِ کتاب وسنت ہیں، انہیں کی افہام وتفہیم، تعلّم و تعلیم، توضیح وتشریح، تعمیل واتباع اور تبلیغ ودعوت اور ایسے رجال کار پیدا کرنا ہے جو اس تسلسل کو قائم رکھ سکیں، بس یہی ان مدارس کا مقصودِ اصلی ہے۔''

(حرفِ آغاز، ماہنامہ دارالعلوم، ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ، مطابق مئی ۲۰۰۷ء)

قارئین! آپ بار بار مدارس کے مقصد کو پڑھیے کہ مدارسِ دینیہ کا اصل مقصد کیا ہے؟ اب ہم غور کریں کہ مدارس کو ختم و کمزور کرنے کی ظاہری کوششوں کا تو ہمیں کافی حد تک اِدراک ہے، وہ ہمیں نظر بھی آتی ہیں اور اس کے تدارک کے لیے ممکنہ تدبیریں بھی اختیار کی جاتی ہیں، مگر مدارس کو ختم و کمزور کرنے کی جو خفیہ کوششیں ہیں اُن کو عوامی سطح پر سمجھنے کی اور اُن کے خلاف بھی کافی مضبوطی کے ساتھ کام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ اللہ پاک ہمارے اکابرین کو جزائے خیر دے کہ نہ صرف یہ کہ وہ ان ظاہری کوششوں سے بھی واقف ہیں، بلکہ وہ خفیہ کوششوں کا بھی پورا ادراک رکھتے ہیں اور اس کے لیے وقتاً فوقتاً تدارک کی تدابیر اختیار کرتے ہیں۔ مدارس کو ختم اور کمزور کرنے کی خفیہ کوششیں کئی جہتوں پر مُحیط ہیں، ہم ان میں سے کچھ کا تذکرہ یہاں پر کرتے ہیں، تاکہ عوامی سطح پر حالات کی سنگینی کا احساس ہو اور ہم اس کے تدارک کے لیے مادی اسباب کے ساتھ ساتھ رجوع الی اللہ کو اختیار کریں، تاکہ مدارسِ دینیہ کی حفاظت ہو۔

مدارسِ دینیہ کو ختم اور کمزور کرنے کی خفیہ کوشش نمبر-۱، نصاب میں جوہری تبدیلی

مدارسِ دینیہ کو ختم اور کمزور کرنے کی خفیہ کوششوں میں سے ایک کوشش مدارس کے نصاب میں جوہری تبدیلی ہے، مگر الحمدللہ حضرات علمائے کرام اس کی راہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار ثابت ہوئے ہیں۔ اس تناظر میں کبھی یہ دعوت دی گئی کہ مدارس سے سائنسدان، انجینئر، ڈاکٹر اور وکیل فارغ ہونے چاہئیں، تو کبھی یہ دعوت دی گئی کہ مدارس کو کمپیوٹر کی تعلیم لازمی دینی چاہیے۔ دیکھیے! ضرورت کے درجے میں تو ان عصری علوم کا مدارس میں آنے سے تو کوئی انکاری نہیں، مگر بنیادی مقصد ہی سے ہٹ کر مدارس سے یہ توقع رکھنا کہ یہاں سے ڈاکٹر، انجینئر، سائنسدان، محققین، معاشی ماہرین اور وکلاء نکلیں گے، یہ بات قطعاً درست نہیں اور مدارس کے مقاصد کو نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: مضمون ''سائنسی تحقیق، عصری علوم، اور دینی مدارس''، ماہنامہ بینات، ربیع الاول ۱۴۴۳ھ-نومبر ۲۰۲۱ء)

اسی نصاب کی تبدیلی کے حوالے سے ذیل کا اقتباس کافی اہمیت کا حامل ہے:

''اگلے دن بعد مغرب اسی مدرسے میں ایک مقدس بزرگ شیخ محمد عبدالکریم (حفظہ اللہ) کی زیارت بھی نصیب ہوئی۔ وہ حضرت شیخ امجد الزھاوی رحمۃ اللہ علیہ کے رفقاء میں سے ہیں اور انہوں نے عصری جامعات کے ''ڈگری زدہ'' طریقے کے بجائے قدیم طریقے پر ماہر اساتذہ وشیوخ سے علومِ دینیہ کی تکمیل فرمائی ہے۔ ''ماجستیر'' اور ''دکتوراہ'' کے اس دور میں ایسے علماء کی قدر و قیمت پہچاننے والے بہت کم ہیں۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ علمِ دین کی جو خوشبو اور شریعت وسنت کی جو مہک ان بوریہ نشینوں کے پاس محسوس ہوتی ہے، وہ عموماً یونیورسٹیوں کے عالیشان

عمارتوں اور ان کے پرتکلف ماحول میں نظر نہیں آتی۔ اس لیے جہاں کہیں جانا ہوتا ہے، ایسے علماء کی تلاش رہتی ہے۔ شیخ موصوف مدرسے کے پہلو میں ایک سادہ سے فلیٹ میں مقیم ہیں۔ قدیم عربی طرز کی نشست، آس پاس کتابوں کے ڈھیر، دروازہ ہر آنے والے کے لیے کھلا ہوا، چہرہ ہمہ تن گلاب کی طرح متبسم، باتوں میں بلا کی معصومیت، برجستگی اور بے تکلفی، تصنع اور دکھاوے سے کوسوں دور، پہلی ہی نظر میں زیارت سے دل باغ باغ ہوگیا۔ ڈاکٹر محمد شریف صاحب (مستشار وزارۃ الاوقاف) نے شیخ کو پہلے سے فون پر ہمارے آنے کی اطلاع کردی تھی، اور شیخ یہ سن کر بہت مسرور تھے کہ ناچیز کو انہی پرانے طرز کے دینی مدارس اور ان کے علماء سے خادمانہ نسبت حاصل ہے۔ چناچہ ابتدائی سلام وکلام کے بعد ان کا پہلا سوال ہمارے مدارس کے نصاب و نظام سے متعلق تھا، اور جب میں نے اپنی درسی کتب میں سے کافیہ، شرح جامی، شرح تہذیب، نورالانوار اور توضیح جیسی کتب کا نام لیا تو وہ تقریباً چیخ پڑے، اور وصیت فرمائی کہ اس قسم کی ٹھوس استعداد پیدا کرنے والے نظامِ تعلیم کو آپ کبھی نہ چھوڑیئے، کیونکہ ہم اس نظام کو چھوڑنے کے نتائجِ بد اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔''

(مفتی محمد تقی عثمانی، جہانِ دیدہ، صفحہ: ۲۲، ادارۃ المعارف، کراچی)

بقول شاعر:

اور یہ اہلِ کلیسا کا نظامِ تعلیم ایک سازش ہے فقط دین ومروت کے خلاف

کوشش نمبر-۲، انگریزی کا علم

مدارسِ دینیہ کو ختم اور کمزور کرنے کی خفیہ کوششوں میں سے ایک کوشش علمائے کرام کو انگریزی سکھانے کے خوشنما عنوان سے ہے جس کا مقصد یہ بتایا جاتا ہے کہ انگریزی سیکھ کر علمائے کرام دین کی ترویج و اشاعت مزید مؤثر طریقے سے کرسکیں گے۔ ذیل میں ہم کچھ اقتباس نقل کرتے ہیں جس سے ہماری تشویش کو قارئین کو سمجھنے میں سہولت ہوگی۔

''مدارسِ دینیہ چونکہ اسلام، اسلامی تہذیب وثقافت، اور امتِ مسلمہ کی چودہ صدیوں کے عظیم الشان دینی اور علمی ورثہ کے امین ہیں، مدارس کی شبانہ روز محنتوں سے اسلام اپنی حقیقی روح و عمل کے ساتھ روئے زمین پر موجود ہے۔ یہ مدارس ہی ہیں جن کی جہدِ پیہم کی وجہ سے آج برِصغیر پاک و ہند استعمار کی شدید ترین کوششوں کے باوجود ''اندلس'' نہیں بن سکا ہے، مگر یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ساٹھ سے زائد مسلمان ممالک اپنے تمام تر وسائل کے باوجود بھی ان استعماری سازشوں کا مقابلہ نہیں کرسکے، بلکہ اس پر مستزاد دُکھ دینے والی صورتِ حال یہ ہے

کہ اکثر مسلم ممالک استعماری سازشوں کا شکار ہوکر ان کے سامنے گھٹنے ٹیک چکے ہیں۔ چوں کہ مغربی استعماری قوتوں کو اس بات کا بخوبی ادراک ہے کہ ان کے منصوبوں کی تکمیل کی راہ میں آخری رکاوٹ ’’دینی مدارس‘‘ ہیں، اس لیے ان کا سارا زور اس بات پر ہے کہ کسی بھی طرح سے مدارس کو موجودہ ’’دہشت گردی‘‘ کے ساتھ نتھی کرکے اُنہیں راہ سے ہٹا دیا جائے، اگر ایسا نہ ہوسکا (اور یقیناً نہیں ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ!) تو ان کے نصاب میں ایسی تبدیلیاں کروائی جائیں کہ مدارس سے بھی ’’لارڈ میکالے‘‘ کے دیئے ہوئے نظامِ تعلیم کی طرح انہی کے پروردہ لوگ نکلیں، جن میں دنیا کو حقیقی اسلام سے متعارف کروانے کی صلاحیت مفقود ہو، جو ہر طرح کے جذبۂ حریت سے خالی ہوں۔‘‘

(مفتی ابوالخیر عارف محمود، اگر یہ مدارس نہ رہے تو!، ماہنامہ بینات، محرم الحرام ۱۴۳۸ھ-نومبر ۲۰۱۶ء)

اکبرالہ آبادی مرحوم کا مشہور شعر ہے، بقول شاعر:

مشرقی تو سر دشمن کو کچل دیتے ہیں ۔۔۔ مغربی اس کی طبیعت کو بدل دیتے ہیں

’’حاصل یہ ہے کہ مغربی ذہنیت یہ ہے کہ اپنے دشمنوں اور مخالفوں کو زیر کرنے کے لیے تیغ و سنان کے بجائے، تعلیم کے نام پر دماغوں اور مزاجوں کو بدل دیتے ہیں اور اپنے نظریات و خیالات کے مطابق ان کو ڈھال لیتے ہیں، میں اوپر اس نظامِ تعلیم کے بانی ’’لارڈ میکالے‘‘ کی تصریح نقل کرچکا ہوں کہ وہ اس نظام سے ایک ایسا طبقہ پیدا کرنا چاہتا تھا جو رنگ و نسل کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو، مگر مزاج اور فکر اور نظریات و خیالات کے لحاظ سے انگریز ہو، کیا اس کے بعد بھی کسی کو ہماری بات کی صداقت میں شک وشبہ کی گنجائش ہے؟‘‘

(ماہنامہ دارالعلوم (دیوبند)، شمارہ ۷، جلد: ۸۹، جمادی الاول، جمادی الثانی ۱۴۲۶ ہجری مطابق جولائی ۲۰۰۵ء)

یعنی اگر ہم اوپر کے اقتباس میں تھوڑی تبدیلی کریں تو اب باطل قوتیں، مدارس کے اندر اپنی خفیہ کوششوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ایک ایسا طبقہ پیدا کرنا چاہتے ہیں جو اپنے ظاہری حُلیے کے اعتبار سے تو ’’عالم‘‘ اور ’’مفتی‘‘ ہو، مگر مزاج اور فکر اور نظریات و خیالات کے لحاظ سے لادینی ہو اور دَر پردہ مدارس کے نظام کے اندر رہتے ہوئے اور ’’مولانا‘‘، ’’مفتی‘‘ کے ٹائٹل استعمال کرتے ہوئے مدارس کے نظام کو گھن کی طرح کھوکھلا کردیں۔ بقول شاعر:

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا ۔۔۔ روحِ محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو
فکرِ عرب کو دے کے فرنگی تخیلات ۔۔۔ اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو
افغانیوں کے غیرتِ دیں کا ہے یہ علاج ۔۔۔ ملا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو

’’اس مقصد کے حصول کے لیے سب سے آسان اور بہتر راستہ ایسا نظامِ تعلیم جاری کرنا تھا، جو مسلمان نوجوانوں کے دل و دماغ سے دینی روح، جذبۂ اسلامی اور فکرِ اسلامی کو یکسر ختم کردے، اور ان میں ایسا مادی نقطۂ نظر پیدا کردے جو انہیں مادی زندگی کا رسیا اور عارضی وفانی زندگی کا دلدادہ بنادے، خود اعتمادی جاتی رہے، اور شک وریب میں مبتلا ہوجائے۔‘‘

(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، نقوشِ اقبال، صفحہ: ۱۳۰)

دیکھیے! ہم قطعاً انگریزی زبان ضرورت کے درجے میں سیکھنے کے مخالف نہیں ہیں، مگر جو ہماری تشویش ہے وہ یہ کہ انگریزی سیکھنے کے عنوان سے کہیں ہم لاشعوری طور پر باطل کے ہاتھوں میں نہ چلے جائیں اور اس طرح مدارس کے مقاصد کو نقصان پہنچے۔ عصری تعلیمی اداروں کا تو حال کچھ ایسا ہے کہ بقول شاعر:

کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعارِ اغیار ہوگئی کس کی نگہ طرزِ سلف سے بے زار

مگر کیا یہی کچھ ہم مدارس میں بھی دیکھنا چاہتے ہیں کہ ہمارے مدارس طرزِ سلف سے بے زار ہوجائیں؟ میں نے کئی علمائے کرام سے باتیں کی ہیں تو مجھے عجیب تشویش محسوس ہوئی کہ جن نوجوان مفتیانِ کرام نے انگریزی پڑھ لی ہے تو ان کے اندر میں نے بات کی تردید کرنے کے انداز میں تکبُّر، تَعَلّی، تَفَوُّق محسوس کیا اور جن علمائے کرام نے انگریزی نہیں پڑھی، ان کے اندر میں نے تواضع اور عاجزی محسوس کی، میری بات کو انہوں نے سمجھنے کی کوشش کی، اور مجھے سے بہت سے سوالات کیے اور پھر انہوں نے میری بات کو مانا بھی اور تسلیم بھی کیا اور ان کے اندازِ گفتگو میں عاجزی کا عنصر تھا۔ اور دوسری طرف ایسے علمائے کرام جو انگریزی سیکھے ہوئے ہیں اور جنہوں نے پی ایچ ڈی کی ہوئی ہے اور ’’ڈاکٹر‘‘ کا ٹائٹل اپنے ساتھ لگالیا ہے، ان سے بھی میں نے باتیں کیں، مگر ان کے انداز سے مجھے محسوس نہیں ہوا کہ مجھ سے جو ہم کلام ہے وہ کوئی مدرسہ کا بہت بڑا مفتی ہے جس نے قرآن وحدیث اور بخاری شریف پڑھی ہو۔ یہ میری فیلنگز اور احساسات ہیں اور میں بڑے درد سے کہتا ہوں کہ اہلِ مدارس اس طرف توجہ دیں کہ انگریزی جب سکھائیں تو اس بات کی طرف توجہ فرمائیں کہ ہم آئندہ نسل میں کیا منتقل کررہے ہیں؟!

یہ بات اب مجھے اپنی آنکھوں سے نظر آرہی ہے کہ اکابر اور جید مفتیانِ کرام تو انگریزی سیکھ کر بھی عاجزی، تواضع، اور للّٰہیت کے پیکر ہیں اور جب اُن حضرات کے سامنے حق بات رکھی گئی تو انہوں نے اسے قبول فرمالی، جبکہ نوجوان مفتیانِ کرام جنہوں نے انگریزی سیکھ لی ہے اور ’’ڈاکٹر‘‘ کا ٹائٹل بھی لگالیا ہے، اُن میں راقم کو یہ صفات نظر نہیں آئیں، البتہ چند ایسے بھی تھے جو واقعی اکابر کی طرز پر برقرار تھے، ان کے اندازِ گفتگو میں عاجزی وانکساری کا عنصر محسوس ہوا۔

کوشش نمبر-۳، اسمارٹ فون کا بے دریغ استعمال

موبائل فون (اسمارٹ فون) کا مدارس میں اور خاص طور پر طلبائے کرام میں بے دریغ استعمال بھی مدارسِ دینیہ کو ختم اور کمزور کرنے کی خفیہ کوششوں میں سے ایک کوشش ہے۔ مدارسِ دینیہ کے طلباء کو پابند کیا جائے کہ وہ موبائل فون پر دورانِ تعلیم اجتناب برتیں۔ اس اجتناب کا مقصد ٹیکنالوجی کا انکار نہیں، مگر مدارس میں تقویٰ کے معیار کو قائم رکھنا اور طلبائے کرام کو اُن کے اصل مقصد یعنی دینی تعلیم کی طرف پورے انہماک کے ساتھ توجہ دینے کی ایک کوشش ہے۔

موبائل فون (اسمارٹ فون) کی ظاہری و باطنی تباہ کاریوں سے کون انکار کرسکتا ہے؟! مغربی ترقی یافتہ ممالک کے اندر بھی جو سائنسدان، محققین، اور پروفیسر حضرات سنجیدگی سے کام کرتے ہیں اور سائنس کی دنیا میں اپنا نام پیدا کرتے ہیں وہ بھی موبائل فون سے عملاً دور رہتے ہیں اور اپنے تحقیقی اور سائنسی کام پر زیادہ توجہ دیتے ہیں اور بقدرِ ضرورت موبائل فون کو استعمال کرتے ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک کی ترقی کا راز یہ نہیں ہے کہ وہ موبائل فون میں اس حد تک منہمک ہوگئے ہیں کہ چوبیس گھنٹے اسی میں لگ گئے ہیں، ہرگز ایسا نہیں ہے، بلکہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ دنیا کے نامور محققین، سائنسدان، اور علمی شخصیات کا پورا ایک نظام الاوقات مرتب ہوتا ہے اور اُسی کے تحت وہ اپنی پوری زندگی گزارتے ہیں اور یہی کچھ ہمارے علمائے کرام بھی بتلاتے ہیں۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ طلبائے کرام تو موبائل فون کے اس فتنے میں پڑ ہی گئے تھے، اچھے اچھے علمائے کرام بھی ہر وقت موبائل فون کے ساتھ لگے ہوتے ہیں اور بہت ہی زیادہ سوشل میڈیا کو استعمال کرنے لگ گئے ہیں جن میں کئی مفاسد ہیں۔ نیز سوشل میڈیا پر ہونے والے گناہوں سے بچنا بہت ہی مشکل کام ہے۔ میوزک، نامحرم کی تصاویر، جاندار کی تصاویر، وقت کا ضیاع، اور سیاسی وغیر فائدہ مند مواد سے بچنا تقریباً ناممکن ہے، لہٰذا اگر ہم نے مدارسِ دینیہ کے تقویٰ کو قائم رکھنا ہے تو موبائل فون کو مدارس سے بالکل دور رکھنا ہوگا۔

راقم جب فرانس میں پی ایچ ڈی کرنے گیا تو وقت میں برکت کے لیے علمائے کرام سے مشورہ کیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ موبائل فون اور سوشل میڈیا سے بالکل دوری اختیار کرلو اور صرف اپنے تحقیقی کام پر فوکس کرو۔ الحمدللہ! حضرات مفتیانِ کرام کی بات پر عمل کرنے سے بہت فائدہ ہوا اور نہ صرف یہ کہ پروفیسر حضرات میری تحقیقی کارکردگی پر خوش ہوئے، بلکہ مجھے پی ایچ ڈی میں سب سے اعلیٰ ڈگری کا ایوارڈ بھی ملا جسے فرنچ زبان میں Très honorable یعنی ویری آنرایبل کا اعزاز کہا جاتا ہے۔

کوشش نمبر-۴، علم معاشیات کی آڑ میں علماء راسخین کی تحقیر

ایک اہم خفیہ کوشش مدارسِ دینیہ کو ختم اور کمزور کرنے کی علمِ معاشیات کی آڑ میں علماء راسخین کی تحقیر کے عنوان سے ہے۔ اس کوشش کے ذیل میں نوجوان مفتیانِ کرام کے ذہنوں میں یہ بات بٹھا دی گئی ہے اور وہ یوں سمجھ رہے ہیں کہ علمِ معاشیات میں روایتی مدارس کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں اور ان کا کسی درجے میں کوئی ذکر نہیں۔ قارئین حیران رہ جائیں گے کہ جب راقم نے خود ایسے نوجوان مفتیانِ کرام سے بات کی جو یہ کہہ رہے تھے کہ فلاں خیبر پختونخواہ کے مدرسے والوں کی کوئی حیثیت ہی نہیں اور فلاں کراچی کے بڑے مدرسے کی کوئی حیثیت ہی نہیں، کیونکہ ان کو تو جدید معاشیات کی ہوا بھی نہیں لگی، یعنی اتنے بڑے بڑے مدرسے، جہاں ہزاروں طلباء ہوتے ہیں، کیا ان لوگوں کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے؟ کیا وہ معاشیات کو کچھ نہیں سمجھتے؟ ان نوجوان مفتیانِ کرام نے تھوڑی بہت انگریزی کیا پڑھ لی ہے کہ ساری معاشیات یہ سمجھ گئے ہیں اور وہ جو ہدایہ اور احادیثِ مبارکہ کی کتب میں کتاب البیوع پڑھتے پڑھاتے ہیں تو اُن حضرات علماء راسخین سے متعلق یہ نوجوان مفتیانِ کرام کہتے ہیں کہ ان کو معاشیات کی کچھ خبر نہیں، یعنی جن علماء نے انگریزی نہیں پڑھی ان کے بارے میں یہ نوجوان مفتیانِ کرام سمجھتے ہیں کہ ان کو معاشیات کی شُد بد بھی نہیں ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ جب انہی انگریزی پڑھے ہوئے نوجوان مفتیانِ کرام کو عالمی معاشی ماہرین کی سائنسی تحقیقات کی طرف متوجہ کیا جائے تو وہ اس کو بھی نہیں مانتے۔ نیز تھوڑی بہت انگریزی جاننے والے نوجوان مفتیانِ کرام کی خود اپنی سائنسی علوم اور معاشیات پر گرفت اور استعداد نہایت کمزور ہے۔

یہ نوجوان مفتیانِ کرام نہ جانے کس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ انگریزی میں دو چار مقالے غیر معیاری سائنسی جرائد میں چھاپ کر اور ''ڈاکٹر'' کا ٹائٹل ساتھ لگا کر بس سمجھنے لگتے ہیں کہ وہی اب سب کچھ ہیں، یعنی بزبانِ حال وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ سارے مدارس پرانے وقتوں کے ہیں، نعوذ باللہ۔ یہ وہ حقائق ہیں جن کو راقم قارئین کی نظر کرنا چاہتا ہے، تاکہ اس سوچ کی نفی کی جائے اور مدارس کو اس شدید خفیہ فتنے سے بچایا جائے۔

دیکھیے! مصر و شام سے سارا علم دین ختم ہوا، وہ کیوں ختم ہوا؟ وہاں اسی طریقے سے عصری علوم کو اور عصری اداروں والوں کو ترجیح دیتے رہے اور جو پرانے دین دار علماء راسخین تھے ختم ہوتے رہے۔ ساری دنیا میں اسی طریقے سے باطل نے اپنے پنجے گاڑے۔ اللہ کا شکر تھا کہ ابھی تک پاکستان میں یہ پنجے گاڑ نہیں سکے تھے، مگر اللہ خیر فرمائے، اب انہوں نے یہاں پر اپنے پنجے گاڑنا شروع کیے ہیں اور ان کو مدارس کے

اندر سے ہی یہ لوگ مل گئے جو کہ علماء راسخین کو اہمیت نہیں دیتے، یعنی جو علمائے کرام ساری زندگی کتاب البیوع پڑھنے پڑھانے پر لگادیں تو اُن کے متعلق کہتے ہیں کہ ان کو معاشیات کی ہوا بھی نہیں لگی۔ جب یہ ذوق بن جائے گا تو پھر اللہ ہی حفاظت فرمائے، یہی تو باطل کی سازشیں ہمیشہ سے چلی آرہی ہیں۔

اسی تناظر میں ایک اہم بات قارئین کی خدمت میں پیش کرنا چاہوں گا۔ ہمارے اکابرین حضرات ابھی تک الحمدللہ ایسے نوجوان مفتیانِ کرام کی راہ میں رکاوٹ ہیں جن کے اذہان تبدیل ہوچکے ہیں اور جو روایتی مدارس اور علماء راسخین کو مدارس کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ راقم کی بذاتِ خود ایسے نوجوان مفتیانِ کرام سے بات ہوئی اور اپنے کانوں سے سنا کہ ان میں سے بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ یہ جو بڑے اکابر بیٹھے ہوئے ہیں یہ ہمیں آگے نہیں بڑھنے دیتے۔ ایک معتبر صاحب نے اسی سے ملتی جلتی بات ذکر کی کہ اُن کو حضرت مولانا سعید احمد جلالپوری شہید رحمۃ اللہ علیہ نے بعض موجودہ اکابر کے بارے میں تذکرہ کرتے ہوئے ایک دن دفترِ ختمِ نبوت میں یہ بات بتائی تھی کہ اللہ حفاظت فرمائے ہمارے موجود اکابر کی، اگر یہ لوگ چلے گئے تو پھر پتہ نہیں ہمارے نوخیز مفتیانِ کرام کیا کچھ کرجائیں گے۔

اللہ پاک خوب جزائے خیر عطا فرمائے ہمارے اکابرین کو کہ جنہوں نے اُمت کو پہلے ہی ایسے تمام فتنوں کے بارے میں اپنی دینی فراست اور دور اندیشی کے ذریعے آگاہ کردیا۔ (جاری ہے)

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

شیخ الحدیث مولانا ارشاد احمدؒ کی رحلت!

محمد اعجاز مصطفیٰ

دار العلوم کبیر والا کے مہتمم و شیخ الحدیث، وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلس عاملہ کے رکن حضرت مولانا ارشاد احمد رحمۃ اللہ علیہ اس دنیائے رنگ و بو میں ۶۸ر سال گزار کر ۳۱ر جولائی ۲۰۲۳ء کو راہیِ عالمِ آخرت ہو گئے۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون، إن للہ ما أخذ ولہٗ ما أعطی وکل شيء عندہٗ بأجل مسمی.

مولانا موصوف اہلِ علاقہ کے لیے ایک عظیم ہستی، طلبہ کے لیے مہربان شخصیت، ہر ملنے والے کے لیے لبوں پر دلآویز مسکراہٹ، اخلاص و تواضع کا پیکر، سراپا عجز و انکسار کا نمونہ، اتباعِ سنت، بدعات سے تنفر جیسی بے شمار خوبیوں اور صلاحیتوں کے حامل تھے۔ آپ اخلاقِ کریمانہ کا مجسمہ تھے، مزاج میں نرمی، گفتگو میں متانت تھی، اُجلا اور پاکیزہ کردار، تقویٰ کی صفت سے مالا مال، صفتِ عفو سے مزین اور محبتوں کا محور تھے۔

آپ تقریباً ۱۹۵۵ء میں پنجاب کے ضلع ڈیرہ غازی خان کے معروف قصبہ شادن لنڈ کی نواحی بستی شیر گڑھ کے صدقانی بلوچ کے ایک نیک صفت انسان جناب رحیم بخش کے ہاں تولد ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں حاصل کی۔ تیرہ سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کیا۔ مدرسہ احیاء العلوم میں مولانا محمد عمر اور مولانا محمد صدیق صاحب سے صرف و نحو کے اسباق پڑھے۔ درجہ رابعہ سے دورہ حدیث تک دار العلوم کبیر والا میں پڑھائی مکمل کی، تین سال تک شورکوٹ میں تدریس کی اور پھر ۱۹۸۲ء سے تادمِ حیات دار العلوم کبیر والا میں تدریس کی۔ آپ کا تدریسی زمانہ تقریباً چالیس سال پر محیط ہے۔

آپ تقریباً ۱۹ر سال تک دار العلوم کبیر والا کے شیخ الحدیث رہے۔ آپ ہی کے دورِ اہتمام میں

دارالعلوم کبیر والا کی سوائے ایک آدھ عمارت کے باقی تمام عمارتوں کی نئی تعمیر ہوئی۔

صبح تہجد کے وقت آپ کی طبیعت خراب ہوئی، جب ہسپتال لے جایا گیا تو ڈاکٹروں نے کہا کہ آپ کی روح ایک گھنٹہ قبل پرواز کرچکی ہے۔ آپ کی نمازِ جنازہ آپ کے فرزند مولانا ڈاکٹر اویس صاحب نے پڑھائی، جس میں ہزاروں علماء، طلبہ کے علاوہ عمائدین اور معززینِ شہر نے شرکت کی۔

پنجاب بھر کے علماء خصوصی طور پر سفر کر کے آپ کے جنازہ میں شریک ہوئے۔ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے رئیس حضرت مولانا سید سلیمان یوسف بنوری دامت برکاتہم نے اپنے تمام اساتذہ اور جامعہ کی انتظامیہ کی طرف سے حضرت مولانا ارشاد احمد رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے مولانا ڈاکٹر محمد اویس صاحب سے ٹیلی فون پر تعزیت کی۔ راقم الحروف نے مولانا مفتی خالد محمود صاحب کی معیت میں دار العلوم کبیر والا جاکر حضرت رئیس الجامعہ کی نمائندگی کرتے ہوئے حضرت کے صاحبزادہ اور دار العلوم کبیر والا کے سابق ناظمِ تعلیمات اور موجودہ مہتمم حضرت مولانا مفتی محمد حامد صاحب اور دوسرے اساتذہ سے تعزیت کی اور حضرت مولانا ارشاد احمد رحمۃ اللہ علیہ کے لیے ایصالِ ثواب کیا۔ حضرت مولانا ارشاد احمدؒ نے پسماندگان میں ایک بیوہ، پانچ بیٹیاں اور دو بیٹے سوگوار چھوڑے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت مولانا ارشاد احمد رحمۃ اللہ علیہ کو جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور آپ کے لواحقین، پسماندگان، شاگردوں اور مسترشدین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے، آمین بجاه سيد الأنبياء والمرسلين.

..... ❀ ..... ❀ ..... ❀ .....

کیا وظائف اور عملیات دین کا حصہ ہیں؟

ادارہ

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

ہمارے ہاں کچھ عرصہ سے یہ بات چل رہی ہے کہ جو اکابر کے وظائف وعملیات دنیوی مقاصد کے لیے منقول ہیں وہ اعمال ہی ہیں، نیز جو وظائف دنیوی مقصد کے لیے کیے جاتے ہیں ان پر ثواب بھی ملتا ہے، چنانچہ ان کی خوب تشہیر کی جاتی ہے، نیز کہا جاتا ہے کہ ہمارا پیغام قرآن وحدیث ہے، پوچھنا یہ ہے کہ:

①- کیا یہ وظائف اور عملیات دین کا حصہ ہیں کہ ان کی اس قدر تشہیر کی جائے کہ لوگ ان کو دین کا حصہ سمجھنے لگیں؟

②- کیا ان کو حقیقۃً اعمال کہہ سکتے ہیں؟

③- کیا دنیوی مقاصد کے لیے کیے جانے والے وظائف وعملیات پر ثواب کا اعتقاد رکھنا درست ہے؟

④- کیا ان کو قرآن وحدیث کا پیغام کہنا یا ثابت کہنا (گو جنتر منتر کے ہی مقابلے میں ہو، لیکن ظاہر ہے عام عوام تو مسنون ہی سمجھیں گے) درست ہے؟

⑤- نیز دنیوی مقاصد کے لیے کیے جانے والے وظائف کو مسجد میں بیٹھ کر کرنا کیسا ہے؟ از راہِ کرم راہنمائی فرما کر ممنون فرمائیں، جزاك الله خیرا

مستفتی: محمد فحیل راشد

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

واضح رہے کہ جو شخص بھی اس دنیا میں آیا ہے اس نے ایک نہ ایک دن موت کا مزہ چکھنا ہے۔ اس دنیا میں بھی ہماری کچھ ضروریات ہیں، لیکن یہ دنیا ہمارا اصلی گھر نہیں، یہ تو مسافر خانہ ہے، دنیا اور آخرت کے درمیانی بارڈر کا نام برزخ ہے، اس سے اِس طرف دنیا اور اُس طرف آخرت ہے۔ ہم نے چونکہ دنیا و آخرت دونوں کی ذمہ داریاں پوری کرنی ہیں، اس کے لیے کچھ کام ہم موت سے پہلے زندگی کے نفع ونقصان

کے لیے کرتے ہیں، ان کاموں کو دنیا کے کام کہا جاتا ہے۔ جو کام ہم موت کے بعد آخرت کی زندگی کے لیے کرتے ہیں، ان کو دین کے کام کہا جاتا ہے، مثلاً ہم نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور جہاد وغیرہ کرتے ہیں، تاکہ آخرت کا گھر آباد ہو جائے، اس لیے ان کو دین کا کام کہا جاتا ہے، اور ان کے احکام کو دینی احکام کہا جاتا ہے، اور دینی احکام کا چار دلیلوں میں سے کسی دلیل سے ثابت ہونا ضروری ہے، جیسا کہ ''کشف الأسرار شرح المصنف علی المنار'' میں ہے:

''أصول الشرع ثلاثة: الکتاب والسنة وإجماع الأمة والأصل الرابع القیاس.'' (ج:۱،ص:۱۲، ط: دار الباز للنشر والتوزیع، مکۃ المکرمۃ)

دیکھیے: ہم بخار کے وقت دوا کھاتے ہیں، بخار ختم ہونے کے لیے دم کرواتے ہیں یا اس کے دور ہونے، صحت یاب ہونے کے لیے تعویذ وغیرہ لیتے ہیں، ان کا نفع ونقصان موت سے پہلے کی زندگی سے متعلق ہے، اس لیے کہ یہ سب دنیوی طریقۂ علاج ہیں، جس طرح بخار کی دوا کے لیے نسخہ، اجزاء اور اوزان، طریقۂ استعمال اور پرہیز وغیرہ امور کا دلائلِ اربعہ میں سے کسی سے ان کی مکمل تفصیلات کا مذکور ہونا ضروری نہیں، البتہ امورِ آخرت میں تفصیلات کا ادلۂ اربعہ میں مذکور ہونا ضروری ہے) اسی طرح بخار کے بعض دم اور تعویذ کا بھی قرآن وحدیث میں مذکور ہونا ضروری نہیں ہے۔

اسی طرح بعض بیماریوں کی دواؤں کا ذکر بعض احادیث میں ملتا ہے، لیکن بہت سی بیماریوں اور دواؤں کا ذکر نہیں ملتا، اسی طرح بعض دم احادیث میں مذکور ہیں اور بعض دم احادیث میں مذکور نہیں۔ یہ اچھی طرح سمجھنا چاہیے کہ کوئی شخص اس لیے دم نہیں کرواتا کہ پل صراط سے آسانی سے گزر جائے، نہ اس لیے تعویذ لیتا ہے کہ منکر نکیر کے سوالات کا جواب آسان ہو جائے یا دوزخ سے بچنے کے لیے عملیات کرتا ہو۔ غرض یہ کہ دوا، دم اور عملیات محض دنیوی طریقِ علاج ہیں، اور دنیوی امور کے بارے میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''أنتم أعلم بأمور دنیاکم.'' (صحیح مسلم، کتاب الفضائل، ج:۲،ص:۲۶۴، ط: قدیمی)

یعنی تم لوگ دنیوی امور میں اپنے تجربے کی وجہ سے زیادہ جاننے والے ہو۔

اس کے متعلق امام نوویؒ فرماتے ہیں:

''امورِ معاش میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے مبارک دوسروں کی طرح ہے، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ معارفِ آخرت کی طرف ہے۔''

مقصد یہ ہے کہ تعویذات اور دم وغیرہ کو، اسی طرح عملیات کو محض طریقۂ علاج کے پس منظر میں دیکھنا چاہیے اور ان کو دنیوی بیماریوں کے لیے دنیوی علاج کی مانند سمجھنا لازمی ہے۔

البتہ وظائف و اوراد صرف امورِ آخرت کے لیے پڑھے جاتے ہیں اور ان کا معمول رکھا جاتا ہے، اور عموماً وظائف' قرآنی آیات اور احادیث سے ثابت شدہ دعاؤں پر مشتمل ہوتے ہیں، انہیں امورِ آخرت کے زاویہ سے ہی دیکھنا چاہیے، وہ کوئی دنیا کے لیے نہیں پڑھے جاتے، اس لیے دونوں میں فرق کو ملحوظ رکھنا چاہیے، دونوں کو ایک نظر سے دیکھنا اور خلط ملط کرنا سراسر ظلم و ناانصافی ہے۔

اس تمہید کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اکابر کے وہ وظائف جو قرآن وحدیث سے ثابت شدہ دعاؤں واذکار پر مشتمل ہوں، ان کی حیثیت بھی اُخروی امور کی طرح نیک اعمال کی ہے، جس پر بلاشبہ ثواب ملتا ہے اور یہ قربِ خداوندی کا بہت مؤثر ذریعہ ہے۔

البتہ اکابر کے عملیات عموماً ان مجربات کو کہا جاتا ہے جو بعینہٖ قرآن وحدیث میں موجود نہیں ہوتے، خواہ وہ روحانی یا جسمانی امراض سے شفاء کے حوالے سے ہوں یا دیگر جائز امور و مقاصد کے حل کے لیے ہوں، یہ بطورِ علاج ہوتے ہیں اور ان کی شرعی حیثیت وہی ہے جو علاج کی ہے، یعنی جس طرح بیماری کا علاج کرنا سنت اور جائز ہے، اسی طرح بیماری وغیرہ کے لیے عملیات بھی سنت اور جائز ہے، البتہ جس طرح عام علاج کو قرآن وحدیث کا نام دینا درست نہیں، اسی طرح عملیات کی حالت ہے، تبھی اس عمل کو اس نیت سے کرنا جائز ہے کہ یہ قرآن وحدیث سے ثابت نہیں، لیکن اس کی کوئی نہ کوئی اصل خواہ اشارۃً ہو، قرآن وحدیث میں موجود ہوتی ہے، اس کی حیثیت شریعت کے کسی مستحب عمل سے کم درجے کی ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں:

①- ان وظائف کو دین کا حصہ اس معنی میں سمجھنا کہ قرآن وحدیث میں موجود ہیں، کوئی حرج نہیں، البتہ عملیات نہ دین کا حصہ ہیں اور نہ ان کو دین کا حصہ سمجھنا چاہیے اور نہ ان کی اس قدر تشہیر کرنی چاہیے کہ عوام اور لوگ ان کو دین کا حصہ سمجھ بیٹھیں۔

②- اسی طرح ان وظائف کو تو حقیقی اعمال کہا جاسکتا ہے، کیونکہ اللہ کے ذکر اور ثواب کی غرض سے انہیں پڑھا جاتا ہے، جبکہ عملیات کو حقیقی اعمال نہیں کہا جاسکتا ہے، جس طرح عام علاج کرنے اور دوا کھانے کو کوئی دین کا عمل نہیں کہتا۔

③- دنیوی مقاصد کے لیے کیے جانے والے عملیات پر ثواب کا اعتقاد رکھنا درست نہیں ہے، بلکہ ایسا سمجھنا بدعت ہے، البتہ وظائف پر بلاشبہ ثواب کا اعتقاد رکھنا درست ہے۔

④- ان عملیات کو قرآن وحدیث کا پیغام کہنا یا ثابت کہنا صحیح نہیں ہے، ورنہ عوام ان عملیات کو مسنون اعمال سمجھ بیٹھیں گے، البتہ وظائف کو قرآن وحدیث سے ثابت کہنا درست ہے۔

⑤- دنیوی مقاصد کے لیے کیے جانے والے عملیات کو مسجد میں نہیں کرنا چاہیے، جبکہ وظائف پڑھنا بالکل جائز اور ثواب کا ذریعہ ہیں۔ مشکاۃ المصابیح میں ہے:

''عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إنما الأعمال بالنيات، وإنما لكل امرئ ما نوى، فمن كانت هجرته إلى الله ورسوله فهجرته إلى الله ورسوله ومن كانت هجرته إلى دنيا يصيبها أو امرأة يتزوجها، فهجرته إلى ما هاجر إليه.''(صحيح) (مشکاۃ المصابیح، ج:۱،ص:۱۱، ط: قدیمی)

مرقاة المفاتيح میں ہے:

''قال الطيبي: وفيه أن من أصر على أمر مندوب وجعله عزما ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر ؟.'' (مرقاۃ المفاتیح، ج:۲،ص:۷۵۵، باب الدعاء فی التشہد، ط: دار الفکر)

فتاویٰ شامی میں ہے:

''لأن الجهلة يعتقدونها سنة أو واجبة وكل مباح يؤدي إليه فمكروه ..... (قوله فمكروه) الظاهر أنها تحريمية لأنه يدخل في الدين ما ليس منه .''

(فتاویٰ شامی، ج:۲،ص:۱۲۰، باب سجدۃ الشکر، ط: سعید)

''(و) لا (الرتيمة) هي خيط يربط بأصبع أو خاتم لتذكر الشيء، والحاصل أن كل ما فعل تجبرا كره وما فعل لحاجة لا، عناية . [فرع] في المجتبى: التميمة المكروهة ما كان بغير العربية. (قوله التميمة المكروهة) أقول : الذي رأيته في المجتبى التميمة المكروهة ما كان بغير القرآن ، وقيل : هي الخرزة التي تعلقها الجاهلية اهـ فلتراجع نسخة أخرى. وفي المغرب وبعضهم يتوهم أن المعاذات هي التمائم وليس كذلك ،إنما التميمة الخرزة، ولا بأس بالمعاذات إذا كتب فيها القرآن أو أسماء الله تعالى، و يقال: رقاه الراقي رقيا ورقية إذا عوذه ونفث في عوذته، قالوا: إنما تكره العوذة إذا كانت بغير لسان العرب، ولا يدري ما هو ولعله يدخله سحر أو كفر أو غير ذلك، وأما ما كان من القرآن أو شيء من الدعوات فلا بأس به اهـ الى قوله : وعن النبي – صلى الله عليه وسلم – أنه كان يعوذ نفسه، قال –رضي الله عنه – : وعلى الجواز عمل الناس اليوم وبه وردت الآثار.'' (فتاویٰ شامی، ج:۶،ص:۳۶۳-۳۶۴، کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی اللبس، ط: سعید)

''اشرف العملیات للتھانوی'' میں ہے:

''اس عملیات میں ایک بات قابلِ لحاظ یہ کہ جو عملیات دنیا کے واسطے ہوتے ہیں وہ موجبِ ثواب نہیں ہوتے ہیں، (یعنی ان کے کرنے میں ثواب نہیں ملتا) ان میں ثواب کا اعتقاد رکھنا بدعت ہے، اسی طرح ایسے عملیات کو مسجد میں بیٹھ کر نہ پڑھنا چاہیے اور نہ اس قسم کے تعویذ مسجد میں بیٹھ کر لکھنے چاہئیں۔'' (اشرف العملیات، باب دوم، ص:۴۲)

آپ کے مسائل اور ان کا حل میں ہے:

’’سوال: ہم چند احباب عموماً روزانہ مغرب سے لے کر نماز عشاء تک مسجد میں بیٹھے رہتے ہیں، اس مختصر عرصے میں کبھی ہم انفرادی طور پر تلاوت وتسبیحات کرتے ہیں، کبھی روزہ، نماز، طہارت کے مسائل سیکھتے یا سکھاتے ہیں، کبھی مستند علمائے کرام کی کتابیں وغیرہ پڑھ کر سناتے ہیں۔ ہم میں ملازمت پیشہ اور تاجر حضرات بھی ہیں، ہمارا واحد مقصد اس قیام میں یہ ہے کہ روپیہ روپیہ کمانے کے چکر سے نجات حاصل کر کے یہ مختصر وقت اللہ اور رسول کے ذکر میں گزاریں۔ کچھ حضرات کہتے ہیں: یہ بدعت ہے اور سنت کے خلاف ہے۔

جواب: اس میں تین عمل ذکر کیے گئے ہیں:

۱-مغرب سے عشاء تک کا وقت مسجد میں گزارنا، اور یہ عمدہ ترین عبادت ہے۔

۲-انفرادی اعمال تلاوت وتسبیحات، اس کا عبادت ہونا واضح ہے۔

۳-دین کے مسائل سیکھنا سکھانا اور علمی مذاکرہ کرنا، یہ بھی بہترین عبادت ہے۔ الغرض آپ کا یہ معمول شرعاً مامور بہ مستحب ہے، اس کو بدعت کہنا غلط ہے۔‘‘

(آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج ۴، ص: ۲۶۴، اوراد ووظائف، ط: لدھیانوی)

کفایت المفتی میں ہے:

’’ماثور وظائف کو ثابت شدہ ترتیب سے پڑھنا چاہیے، غیر ماثور میں اختیار ہے۔

(سوال) متعلق وظائف ماثورہ وغیر ماثورہ

(جواب: ۸۷) جو وظائف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نام سے منقول ہیں، ان کو اسی ثابت شدہ ترکیب وترتیب سے پڑھنا چاہیے، اس میں برکت اور امیدِ قبولیت ہے، اور جو وظائف حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں، ان میں اختیار ہے جس طرح چاہے پڑھے۔‘‘

(کفایت المفتی، ج: ۲، ص: ۱۱۹، کتاب السلوک والطریقۃ، ط: دار الاشاعت)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبہ
ابوبکر سعید الرحمٰن	محمد انعام الحق	اعجاز احمد ہزاروی
		تخصصِ فقہِ اسلامی

جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی

نَقدُ و نظَر

ادارہ

عظمتِ صحابہؓ اور حضرت مدنیؒ

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ۔ صفحات: ۹۶۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: مکتبہ خلفائے راشدینؓ، جامعہ عربیہ اظہار الاسلام، پنڈی روڈ، چکوال

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانیت کی نجاح وفلاح کے لیے آخری نبی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، اور آپ پر اولین ایمان لانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے لیے منتخب فرمایا، قرآن کریم اور احادیثِ نبویہ میں صحابہ کرامؓ کی فضیلت، تعریف وتوصیف بیان کی گئی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت امتِ مسلمہ کے لیے ایمان اور قرآن کے عینی شاہد ہیں۔ اُمت کو دینِ اسلام صحابہ کرامؓ کے واسطہ سے ملا، اس لیے جو لوگ دینِ اسلام کو بے وقعت کرنا چاہتے ہیں، وہ سب سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارہ میں زبانِ طعن دراز کرتے ہیں کہ جب گواہ کمزور ہوں گے تو دینِ اسلام خود بخود کمزور ہوگا، اسی لیے اکابر نے لکھا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قرآن وسنت کے آئینہ میں دیکھا جائے، نہ کہ تاریخ اور کمزور روایات وواقعات کے آئینہ میں، بالفاظِ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآنی شخصیات ہیں، تاریخی نہیں۔ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ''جو صحابہؓ کو سمجھ جائے گا دین کو سمجھ جائے گا۔''

اس کتاب میں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کے ملفوظات جمع کیے گئے ہیں، حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ نے یہ رسالہ تالیف کیا ہے۔ یہ رسالہ اس لائق ہے کہ اسے بار بار پڑھا جائے، تاکہ دلوں میں حضرات صحابہ کرامؓ کی محبت جاگزین ہو۔

معارفِ قربانی

حضرت مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی صاحب زید مجدہٗ۔ صفحات: ۱۶۸۔ طبع دوم: مئی ۲۰۲۳ء۔

قیمت: درج نہیں۔ پاکستان میں ملنے کا پتا: صدیقی ٹرسٹ کراچی، المنظر اپارٹمنٹ ۴۸۵، گارڈن ایسٹ، نزد لسبیلہ چوک، کراچی

زیرتبصرہ کتاب ''معارفِ قربانی'' صاحبِ کتاب کے اُن چند بیانات کا مجموعہ ہے جو انہوں نے مانچسٹر کی جامع مسجد امدادیہ میں کیے اور آخر میں حضرت علامہ خالد محمود نور اللہ مرقدہٗ کا اس موضوع پر ایک مفید مضمون بھی شامل کیا گیا ہے۔ ان بیانات میں قربانی کی تاریخ، قربانی کی اہمیت وفضیلت، قربانی سے انکار واعراض کا وبال، حضرت خاتم النبیین ﷺ اور دیگر مومنین کی جانب سے قربانی، قربانی کے احکام ومسائل، ذبیح کون؟ قربانی کے ایام کتنے؟ قربانی پر شبہات کے جوابات اور ماہِ ذوالحجہ کی فضیلت اور اس کے احکام ومسائل پر علمی فکری اور اصلاحی باتیں جمع کی گئی ہیں۔ یہ کتاب موجودہ دور میں ان حضرات کے لیے نعمتِ غیر مترقبہ ہے جن کو قربانی پر کچھ شکوک وشبہات ہیں یا ان کے سامنے یہ شکوک وشبہات پیش کیے جاتے ہیں۔ اللہ تبارک تعالیٰ مؤلف ومرتب کو اس خدمت پر اجرِ عظیم عطا فرمائے، آمین

مجموعہ رسائل

باہتمام: مولانا زاہد اللہ صاحب۔ ترتیب وتبویبِ جدید: لجنۃ المحققین۔ صفحات: ۱۸۲۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: اسلامی کتب خانہ، درہ آدم خیل، کوہاٹ۔ ملنے کا پتہ: اسلامی کتب خانہ، جنگی محلہ، پشاور

حضور اکرم ﷺ نے پیدائش سے موت اور موت کے بعد تمام احوال بیان کردیے۔ قیامت کب ہوگی؟ اس سے پہلے کیا کیا احوال وواقعات ظہور پذیر ہوں گے؟ قیامت کی چھوٹی چھوٹی علامات کیا ہیں؟ اور بڑی بڑی علامات کیا ہوں گی؟ یہ سب کچھ قرآن وسنت میں بیان کردیا گیا ہے، اس پر اپنے اپنے زمانہ میں حضرات علمائے کرام نے احادیث کو جمع کیا ہے اور ان احادیث کی روشنی میں قیامت کی علامات کو اپنے اپنے انداز میں بیان اور تحریر کیا ہے۔ زیرِنظر کتاب ''مجموعہ رسائل'' میں تین اکابر کے رسائل کو جمع کیا گیا ہے: (۱) شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کا رسالہ: ''الخليفة المهدي في الأحاديث الصحيحة'' (۲) حضرت مولانا بدرِ عالم میرٹھیؒ کی کتاب ''ترجمان السنة'' سے ایک باب ''الإمام المهدي'' اور شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کا رسالہ ''عصرِ حاضر حدیث نبوی کے آئینہ میں''۔ ان تینوں رسائل کو جدید اور نئی ترتیب وتبویب کے ساتھ جمع کیا گیا ہے۔ اس مجموعہ کے پڑھنے سے پتا چلتا ہے کہ موجودہ حالات اور ان میں ان فتنوں کا وجود میں آنا اور ظاہر ہونا کیا بتاتا ہے کہ حالات کس رخ پر جارہے ہیں؟ اور ان حالات میں ہمیں کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا؟!

کتاب کا کاغذ مناسب ہے، البتہ کمپوزنگ میں یکسانیت کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ امید ہے آئندہ

ایڈیشن میں اس کا خیال رکھا جائے گا۔

الجواهر والدرر في إيضاح سورة العصر

افاضات: مفکرِ اسلام حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ (لندن)۔ ترتیب وتخریج: جناب مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی زید مجدہٗ۔ صفحات: ۱۲۰۔ قیمت: درج نہیں۔ ملنے کا پتا: صدیقی ٹرسٹ کراچی، المنظر اپارٹمنٹ ۴۸۵، گارڈن ایسٹ، نزد لسبیلہ چوک، کراچی

سورۃ العصر قرآن کریم کی سورتوں میں ایک اہم سورت ہے جو صرف تین آیات پر مشتمل ہے، لیکن معنی اور مفہوم کے لحاظ سے ''دریا بکوزہ'' کا مصداق ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ملفوظ ہے کہ: ''لوگ اگر سورۂ عصر میں تدبر وتفکر کر کے اس کو اپنی زندگی کے لیے راہِ عمل بنالیں تو یہ ان کے لیے کافی ہے۔'' پیشِ نظر کتاب اس سورت کے آٹھ دروس کا مجموعہ ہے جو برطانیہ کی مشہور علمی درس گاہ اسلامک اکیڈمی آف مانچسٹر میں ہفتہ واری قرآنی مجلس میں دیے گئے۔ کتاب کے پہلے پانچ دروس حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ صاحب کے ہیں اور آخری تین دروس اس کتاب کے مرتب محترم جناب حافظ محمد اقبال رنگونی صاحب کے ہیں۔

کتاب کا کاغذ، طباعت، جلد، کمپوزنگ سب اعلیٰ ذوق کا آئینہ ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس سعیِ جمیلہ کو قبول فرمائیں۔

حیاتِ طیبہ من اجتناب السیئۃ

قاری عبدالجبار مجاہد صاحب۔ صفحات: ۱۹۷۔ قیمت: درج نہیں۔ ملنے کا پتا: مکتبہ امامِ اہلِ سنت، شیرانوالہ باغ، گوجرانوالہ

زیرِ تبصرہ کتاب کے مؤلف وجامع قاری عبدالجبار صاحب عرصہ چالیس سال سے قرآن کریم حفظ کرانے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ آپ کو مطالعہ کا ذوق بھی وافر حصہ میں ملا ہے، اسی لیے آپ نے اپنے حاصلِ مطالعہ کو جمع کر کے ابواب کی صورت میں اس کتاب کو مرتب کیا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے چند گوشے، صحابہ کرامؓ واکابرینِ امت کے ایمان افروز واقعات، چند منتخب احادیث، ختمِ نبوت، سارقینِ ختمِ نبوت، تصوف وفقہ، وظائف، محاورات، بامقصد اشعار اور دینی ودنیاوی معلومات پر مشتمل ایک مجموعہ ہے۔

کتاب کا نام آدھا اردو اور آدھا عربی ہے، کتاب کا نام مناسب رکھ لیا جاتا تو بہتر تھا۔ بہر حال اُمید ہے کہ مرتب کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔